جلد ۱، شمارہ ۴
دسمبر ۲۰۱۴

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

پاکستان میں انتخابی اصلاحات

مختلف حلقوں کے خیالات اور مواقع

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان

UNDP
Pakistan

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

وضاحت

اس جریدے میں شامل ایڈیٹوریل بورڈ کے ارکان یا دیگر بیرونی افراد کی تحریروں میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ضروری نہیں کہ اس ادارے کے خیالات کی عکاسی کرتے ہوں کے لئے وہ کام کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی آراء ایک ادارے کی حیثیت سے اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کے خیالات کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ایڈیٹر: ماہین حسن

ڈیزائنر: سید اسفار حسین شاہ

ترتیب: طورسم خان

قائد مصنفین

سکائے کرسچنسن
جیمز لٹلٹن
ماروی سرمد

پرنٹر: پریسکو انٹرپرائزز۔ فون: 0345 513 1355

اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ
چوتھی منزل، سیرینا بزنس کمپلیکس،
خیابان سہروردی، سیکٹر G-5/1،
پی او باکس 1051، اسلام آباد، پاکستان

اپنی تحریریں اور جوابی آراء ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں:
communications.pk@undp.org

ISBN: 978-969-8736-09-5

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان، ملک میں اہم ترقیاتی مسائل اور مشکلات پر خیالات کے تبادلہ کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔ اس کے ہر سہ ماہی شمارے میں ترقی سے متعلق ایک موضوع کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے عوامی بحث کی راہ ہموار کی جائے گی اور سول سوسائٹی، تدریسی حلقوں، حکومت اور ترقیاتی پارٹنرز کے مختلف نقطہ نظر پیش کیے جائیں گے۔ اس جریدے کے ذریعے ہونے والی ہر بحث میں نوجوانوں اور خواتین کی آراء شامل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ تجزیوں اور رائے عامہ پر مبنی آرٹیکلز ترقی سے متعلق نئے خیالات پر بحث کو فروغ دیں گے اور اس کے لئے معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ تازہ ترین معلومات بھی پیش کریں گے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

مارک آندرے فرینشے
کنٹری ڈائریکٹر، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ

عادل منصور
چیف، سٹریٹجک مینجمنٹ یونٹ

عامر گورایہ
اسسٹنٹ کنٹری ڈائریکٹر، جمہوری طرز حکمرانی یونٹ

جیمز لٹلٹن
چیف ٹیکنیکل ایڈوائزر، سٹرینتھننگ الیکٹورل اینڈ لیجسلیٹو پراسیسز

امجد بھٹی
نیشنل ٹیکنیکل ایڈوائزر، شمولیت پر مبنی وفاقی نظام اور ڈی سنٹرلائزیشن کے استحکام کا پراجیکٹ

شکیل احمد
پالیسی سپیشلسٹ، ڈویلپمنٹ پالیسی یونٹ

مارگریٹ لیمب
کمیونیکیشنز سپیشلسٹ

فاطمہ عنایت
کمیونیکیشنز اینالسٹ

فہرست

دسمبر 2014

تجزیئے

2 پاکستان میں انتخابی اصلاحات
خواب سے تعبیر تک

6 اصلاحات کے لیے اہم مسائل

آراء

8 انتخابی اصلاحات، ایک طویل سفر
آئی اے رحمان

10 پاکستان میں انتخابی اصلاحات
صنفی خلاء کو کس طرح دور کیا جائے؟
خاور ممتاز

24 انتخابی اصلاحات پر مباحثہ
طاہر مہدی

26 انتخابی اصلاحات پر یورپی یونین کا نقطہ نظر
ایمبیسیڈر لارز گنار ویجمارک

نوجوانوں کی آواز

20 پنجاب ، سندھ ، خیبر پختونخواء ، بلوچستان

مباحثہ

14 لکیریں کون کھینچتا ہے؟
مقامی حکومت کے انتخابات میں اصلاحات

18 کیا ٹیکنالوجی کا استعمال انتخابی عمل میں بہتری لا سکتا ہے؟

22 انتخابی انصاف
انتخابی تنازعات اور عذرداریوں کا تصفیہ

خواتین کی آواز

16 پنجاب ، سندھ ، خیبر پختونخواء ، بلوچستان

ہماری آن لائن رابطہ معلومات

www.facebook.com/undppakistan

www.twitter.com/undp_pakistan

www.pk.undp.org

اداریہ

کسی بھی ملک میں چاہے وہ کوئی مستحکم جمہوری ملک ہی کیوں نہ ہو، انتخابات کے قانونی فریم ورک اور انتظامی طریقے وعمل پختہ اور مستقل نہیں ہوتے۔ انہیں ایک ارتقاء پذیر عنصر کے طور پر دیکھنا ضروری ہوتا ہے جس میں باقاعدگی کے ساتھ نظرثانی اور ترامیم کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ اس طرح نہ صرف بین الاقوامی معیارات اور تقاضوں کی پاسداری کو یقینی بنایا جاتا ہے بلکہ اس وسیع تر سیاسی ضرورت کی عکاسی بھی ہوتی ہے کہ جمہوری نظام کی افادیت پر اعتماد برقرار رکھنے کے لئے مسلسل کوششوں کا سلسلہ جاری رہے اور یوں اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ انتخابی عمل جوابی اقدام پر مائل اور شمولیت پر مبنی ہوں اور انتخابات کے تمام متعلقہ فریقوں کی توقعات سے ہم آہنگ ہوں۔ کسی بھی دوسرے ملک کی طرح پاکستان پر بھی یہی بات صادق آتی ہے بالخصوص ایک ایسے دور میں جب ٹیکنالوجی میں تبدیلی کی رفتار اس بات پر اثر انداز ہو رہی ہے کہ شہری کس طرح جمہوری اداروں اور عمل میں شریک ہوتے ہیں۔

بلاشبہ اختلافات اپنی جگہ موجود ہیں لیکن پاکستان میں مقامی اور بین الاقوامی سبھی متعلقہ فریق انتخابی اصلاحات کی ضرورت کو واضح انداز میں تسلیم کرتے ہیں۔ یورپی یونین کے انتخابی مشاہدہ مشن نے 2013 کے عام انتخابات پر اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ”قانونی فریم ورک اور بعض دفعات پر عملدرآمد سے متعلق بنیادی نوعیت کے مسائل برقرار ہیں جن کی بناء پر مستقبل کے کسی بھی عمل میں بدعنوانی کا خطرہ باقی ہے اور پاکستان اپنے شہریوں کو بطور امیدوار انتخاب میں حصہ لینے اور ووٹ دینے کا حق وموقع فراہم کرنے سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح نہیں نبھا رہا“۔ اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کی جانب سے کمیشن کیئے گئے ایک ملک گیر سروے میں حصہ لینے والے 4,535 افراد میں سے 49 فیصد کا کہنا تھا کہ وہ موجودہ انتخابی نظام سے مطمئن نہیں ہیں جبکہ ووٹ دینے والے 55 فیصد افراد کا کہنا تھا کہ انتخابی اصلاحات ضروری ہیں۔

انتخابی اصلاحات کی باتیں 2013 کے عام انتخابات سے بھی پہلے سے ہو رہی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور اس سے اس حقیقت کو تقویت ملتی ہے کہ کیا کچھ کرنا ضروری ہے اور اس پر محض باتوں سے آگے بڑھ کر انہیں ایک باہم مربوط، باقاعدہ ترتیب پر مبنی لائحہ عمل کی شکل دی جائے۔ پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ سیاسی جماعتیں نئی مردم شماری کی فوری ضرورت پر اتفاق کریں، جس کے بعد انتخابی حلقوں کی نئی حد بندی کے ذریعے ممکنہ حد تک اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ تمام انتخابی حلقے آبادی کے اعتبار سے کسی قدر برابر ہوں۔

موجودہ سیاسی بحران کا نتیجہ کچھ بھی نکلے تمام سیاسی قائدین کو یہ بات تو تسلیم کر لینی چاہیئے کہ نئی مردم شماری کے بغیر اور قانونی وانتظامی فریم ورک کی کمزوریوں کو دور کیئے بغیر اگلے انتخابات کرانا پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ان جمہوری ثمرات کو خطرے میں ڈالنے والی بات ہوگی جو پاکستان نے ایک کٹھن جدوجہد کے بعد حاصل کیئے ہیں۔ برائے نام اصلاحات سے آگے بڑھ کر وسیع نوعیت کے ایسے اقدامات پر عملدرآمد کا ایک موقع گزشتہ انتخابات سے قبل گنوا دیا گیا جو مختلف معاہدوں کے تحت بین الاقوامی تقاضوں کی پاسداری یقینی بنانے کے لئے ضروری ہیں۔ ان معاہدوں میں شہری وسیاسی حقوق کا بین الاقوامی معاہدہ بھی شامل ہے جس کی توثیق پاکستان نے اپریل 2010 میں کی۔ سیاسی قائدین کے لئے اب ایک موقع پیدا ہو گیا ہے کہ وہ یکجا ہوں اور انتخابی اصلاحات کے ادھورے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

انتخابی اصلاحات کے لئے تمام بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل خصوصی پارلیمانی کمیٹی کی تشکیل اس موقع سے فائدہ اٹھانے اور ایک ایسا ایجنڈا تشکیل دینے کے لئے پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے جس کے ذریعے محض سیاسی جماعتوں ہی نہیں بلکہ شہریوں سمیت تمام متعلقہ فریقوں کی شکایات کا ازالہ کیا جاسکتا ہے اور امنگوں کو عملی شکل دی جاسکتی ہے۔ یہ حقیقت بھی اتنی ہی نمایاں حیثیت رکھتی ہے کہ خصوصی کمیٹی کی تشکیل انتخابی اصلاحات کے عمل میں عدلیہ یا بیوروکریسی کے برعکس پارلیمان کی بالادستی کا ادعا ہے۔

بامعنی پیشرفت کے لئے تمام سیاسی جماعتوں کو چاہیئے کہ وہ انتخابی اصلاحات کو ایک ایسے پیچیدہ عمل کے طور پر دیکھیں جس کے لئے بھرپور گفت وشنید، تحقیق اور عوامی مشاورت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس پارلیمانی کمیٹی کی مدت میں زیادہ نہیں تو کم وبیش ایک سال کی توسیع کے لئے اقدامات ہونے چاہئیں۔ اسے ایک ایسا اصلاحاتی ایجنڈا وضع کرنے میں وقت لگے گا جو نہ صرف زیادہ تر پارٹیوں کے اتفاق رائے کی بلکہ انتخابی اصلاحات پر معاشرے کے وسیع تر طبقات کے خیالات کی بھی عکاسی کرتا ہو۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصلاحاتی ایجنڈا کس قدر وسیع ہونا چاہیئے۔ کیا اسے انتخابات کے خالصتاً قانونی اور انتظامی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیئے یا اسے اس سیاق وسباق سے متعلق ہونا چاہیئے جس میں انتخابات منعقد ہوتے ہیں؟

گزشتہ تین ماہ کے عرصے میں اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کی طرف سے سول سوسائٹی، تدریسی حلقوں، نوجوانوں اور خواتین نمائندوں کے ساتھ چاروں صوبوں میں سیمینار منعقد کرائے گئے جن میں بار بار یہی بات سامنے آتی رہی کہ انتخابی اصلاحات کا عمل کلی نوعیت کا ہونا چاہیئے جو ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کرے جن کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ یہ انتخابی نظام کی معتبر حیثیت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان نمائندوں نے خاص طور پر ایسے فوری اقدامات پر زور دیا جن سے خواتین امیدواروں کی تعداد میں اضافہ ہو (مثلاً ایسے قوانین متعارف کرائے جائیں جو پارٹیوں پر قانونی شرط عائد کریں کہ وہ جنرل نشستوں میں سے 10 فیصد کے ٹکٹ خواتین کے لئے مختص کریں) اور سیاسی پارٹیوں میں امیدواروں کی نامزدگی کے طریقے جمہوری چناؤ کے عمل کے مطابق ہوں۔

ایک ایسے درست طریقے کے تعین میں بھی وقت لگے گا کہ مسائل کیا ہیں اور ان کے موزوں حل کیا ہونے چاہئیں۔ بعض مسائل کا تعین کرنا آسان ہے اور انہیں دور کرنا قدرے آسان ہونا چاہیئے جیسے امیدواروں کے لئے اخراجات کی موجودہ حد میں اضافہ۔ لیکن دیگر مسائل زیادہ تکنیکی نوعیت کے ہیں اور ان پر خاطر خواہ تحقیق اور عوامی بحث کی ضرورت ہوگی تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ مجوزہ حل نادانستہ طور پر کسی مسئلے کے مزید بگاڑ کا باعث نہ بن جائیں۔ الیکٹرانک ووٹنگ مشینوں (ای وی ایم) کے مسئلے کو ہی لے لیں۔ بہت کم ممالک انہیں استعمال کرتے ہیں، جزوی طور پر ان کی قیمت کے باعث لیکن بنیادی طور پر اس لئے کہ اس بارے میں جائز خدشات پائے جاتے ہیں کہ یہ مشینیں انتخابات کی قابل اعتبار شفاف حیثیت کے مطلوبہ بنیادی معیار پر منفی اثرات مرتب کرتی ہیں۔ دوسری جانب ان مشینوں کے استعمال کے ممکنہ فوائد بھی ہیں مثلاً انتخابی عمل کی درست حیثیت بہتر ہوتی ہے اور گنتی اور نتائج کی ترسیل کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ یوں الیکٹرانک ووٹنگ مشینیں یا کوئی دیگر انتخابی ٹیکنالوجیز متعارف کرانے کا فیصلہ ممکنہ ثمرات اور متوقع خطرات کے واضح تجزیہ پر مبنی ہونا چاہیئے۔

آخر میں عملدرآمد کا مسئلہ آ جاتا ہے۔ دنیا بھر کے درجنوں ممالک میں انتخابی اصلاحات کے عمل میں معاونت سے حاصل ہونے والے اپنے تجربے کی بنیاد پر ہم سمجھتے ہیں کہ انتخابی عمل کے تمام پہلوؤں پر کامیاب عملدرآمد دو عوامل سے مشروط ہوتا ہے یعنی تمام فریقوں کا دیرپا سیاسی عزم اور انتخابی مینجمنٹ کا ایک ادارہ جو عملدرآمد میں ہراول دستے کا کردار ادا کرنے کی استعداد اور اختیار رکھتا ہو۔ پاکستان میں انتخابی اصلاحات کتنی ہی متاثر کن کیوں نہ ہوں وہ تکنیکی مواد، متعلقہ مسائل سے تعلق اور عزائم کے اعتبار سے صرف کاغذی شکل میں ہیں اور اس وقت تک کچھ زیادہ قابل قدر نہ ہوں گی جب تک کہ الیکشن کمیشن آف پاکستان کو اس قدر آزادی اور وسائل نہیں دے دیئے جاتے کہ وہ انتخابی انتظامیہ کے تمام پہلوؤں پر اپنا اختیار استعمال کر سکے اور اصلاحات پر موزوں طریقے سے عملدرآمد کو یقینی بنا سکے۔

©یو این ڈی پی پاکستان

پاکستان میں انتخابی اصلاحات

خواب سے تعبیر تک

2013 کے عام انتخابات کے نتیجے میں پاکستان کے جمہوری عمل میں ایک تاریخی گھڑی دیکھنے کو ملی کہ رائے دہندگان بالخصوص خواتین اور نوجوانوں نے اس میں بے مثال دلچسپی کا اظہار کیا۔ بحث کے سابقہ ادوار میں جہاں منتخب حکومت کو اقتدار کی منتقلی سے متعلق بنیادی امور کو مرکزی حیثیت حاصل رہی وہیں آج کی بحث میں ان امور پر خصوصی توجہ دی جائے گی کہ اس عمل میں مختلف جمہوری کرداروں، خواہ وہ الیکشن کمیشن آف پاکستان ہو یا سیاسی جماعتیں ہوں یا پھر عدلیہ، ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ سیاسی عمل کے اس طرح معمول پر آنے سے پہلی بار ایک منتخب حکومت سے دوسری حکومت کو اقتدار کی جمہوری انداز میں منتقلی ممکن ہوئی، جس سے اس عمل کی شاندار استعداد کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ سب بڑی حد تک اس خاطر خواہ پیشرفت کی بدولت ممکن ہوا جو حالیہ سالوں کے دوران انتخابی اداروں کی تشکیل نو کرنے والی آئینی ترامیم اور تکنیکی پہلوؤں میں بہتری مثلاً انتخابی فہرستوں کی کمپیوٹرائزیشن اور میڈیا کے کردار کے نئے قابل ذکر اضافہ کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ میڈیا اور سیاست کے اس نئے ماحول میں انتخابات کے شعبے میں عوامی توقعات بڑھ گئی ہیں۔ شہری اور سیاسی جماعتیں ان طریقوں کے استحکام میں دلچسپی لیتے نظر آتی ہیں جن کے ذریعے عہدیداروں کا انتخاب کیا جاتا ہے اور پہلی بار نظام کی نوک پلک سنوارنے پر ایک پختہ سوچ پر مبنی بحث سامنے آئی ہے۔

انتخابی اصلاحات کے مسئلے پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ٹی وی چینلوں کے لاتعداد گھنٹے اس کی نذر ہو چکے ہیں۔ پاکستان کی سیاسی قیادت اور عام انتخابات پر رپورٹیں خاصی وسیع اور تفصیلی ہیں۔ مبصرین اور سول سوسائٹی پوری تندہی کے ساتھ انتخابی ڈیٹا جمع اور شائع کر رہے ہیں۔ انتخابی اصلاحات پر پاکستان کمیشن کی تشکیل حکومت اور پارلیمان میں موجود پارٹیوں کے اس عزم کی عکاسی کرتی ہے کہ وہ اصلاحات کو سنجیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

کنسلٹنٹ ایسے کسی عمل میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں جو اسے جائز قانونی حیثیت دیتے ہیں۔ انتخابی اصلاحات پر پارلیمانی کمیٹی کو اصلاحات پر ہزاروں تجاویز موصول ہوئی ہیں اور تادم تحریر یہ کمیٹی سفارشات مرتب کرنے کی جانب قدم بڑھا رہی ہے۔ اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ اور اس کے مختلف ساتھی اداروں مثلاً ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی)، سٹرینتھنگ پارٹیسپیٹری آرگنائزیشن (ایس پی او) اور دیگر تنظیموں نے انتخابی اصلاحات کے مختلف پہلوؤں میں متعلقہ پہلوؤں کی دلچسپی کا اندازہ لگانے کے لئے ملک بھر میں اجلاس منعقد کئے ہیں۔ شمال سے جنوب تک، پشاور سے کراچی تک، ان سیمیناروں کے شرکاء نے الیکشن کمیشن اور انتخابی عمل کو مستحکم بنانے کے متفقہ مطالبے کا اظہار کیا۔ دیہی علاقوں کے مرد ہوں یا شہری اشرافیہ کی خواتین، سیاست دان ہوں یا بیوروکریٹ، پاکستان کے سبھی لوگ انتخابی عمل کے بارے میں شاندار معلومات رکھتے ہیں، اس کے نفع نقصان کا خوب جائزہ لیتے ہیں اور مزید کچھ جاننے اور مزید کچھ کرنے کے لئے بے چین ہیں۔

اصل مشکل: خاطر خواہ اصلاحات کے خواب کی تعبیر۔

اصلاحات کے خیال کی حمایت کرنے والے سبھی حلقوں کے نزدیک ایک سوال نمایاں حیثیت رکھتا ہے کہ کیسے؟ معاشرہ اس انتخابی عمل کو کس طرح یقینی بنا سکتا ہے جس کا وہ آرزومند ہے؟ اصلاحات کا عمل نہ تو موجودہ نظام کی خامیاں تلاش کر لینے پر ختم ہو جاتا ہے اور نہ ہی اس بارے میں اچھے خیالات پیش کر دینے سے مکمل ہو جاتا ہے کہ تبدیلی کس طرح لائی جائے۔ نئے چیف الیکشن کمشنر کی تقرری اور سابقہ انتخابات کی تحقیقات کافی نہیں۔ بلکہ ایک ایسی کیفیت کے حصول کے لئے متفقہ اور طے شدہ روڈ میپ کی ضرورت ہے جس میں ہر رائے دہندہ کو پورا اعتماد ہو کہ انتخابی حلقوں کی حد بندی سے حتمی نتائج کے اعلان تک یہ عمل منصفانہ اور آزاد ہے۔

بحث کی اصل ضرورت: تبدیلی کا ایک نظریہ

دنیا بھر کے تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاطر خواہ انتخابی اصلاحات بنیادی طور پر ایک مشکل کام ہے۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سی کمی طاقت کے سیاسی توازن کا پانسہ پلٹ سکتی ہے۔ ادارہ جاتی اور سیاسی قوتیں عام حالات میں ایسی تبدیلیوں کو اپنانے میں پس وپیش سے کام لیں گی جو ان کے مفادات کو مخدوش بناتی ہوں۔ لہٰذا یہ بڑی منفرد صورتحال ہوگی کہ جس میں بڑے پیمانے پر انتخابی اصلاحات رونما ہو جائیں۔

اس پہلو کی ایک کلاسیکی مثال اس دائمی سوال کی صورت میں دیکھی جا سکتی ہے کہ انتخابی نظام کس قدر متناسب یا اکثریت پر مبنی ہونا چاہئے کیونکہ مختلف حلقوں کی حمایت کی حامل چھوٹی سیاسی جماعتیں زیادہ متناسب نظام کے لئے زور لگائیں گی جبکہ بڑی پارٹیاں یا ایسی پارٹیاں جو ایک مرکوز حلقہ حمایت کی حامل ہوں گی وہ اکثریت پر مبنی نظام کو ترجیح دیں گی کیونکہ اس طرح انہیں ووٹوں میں ان کے حصے سے زیادہ نشستیں مل جائیں گی۔1

یہی پہلو کہیں زیادہ رکاوٹوں پر مبنی اصلاحات پر بھی صادق آتا ہے جیسے بیلٹ پیپرز کی سکیورٹی خصوصیات یا انتخابی مہم کے ضوابط۔ ہر اصلاح انتخابی مہم اور نتائج پر اپنا ایک اثر دکھانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور عین ممکن ہوتا ہے کہ طرز حکمرانی کے کسی دوسرے شعبے میں اسی نوعیت کی کسی اصلاح کے مقابلے میں قدرے زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔

بہر حال ممالک انتخابات منعقد کرانے کے لئے اپنے طریقے تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اب جبکہ پاکستان میں انتخابی اصلاحات ایجنڈا میں سرفہرست نظر آتی ہیں اور متعدد کارروائیاں پہلے سے زیر عمل ہیں تو شاید مناسب ہوگا کہ دیگر اقوام کی کچھ وسیع تر مثالوں کا جائزہ لے لیا جائے جنہوں نے انتہائی متنازعہ انتخابی عمل سے وسیع پیمانے پر تسلیم شدہ عمل کی جانب کامیابی سے قدم بڑھایا۔ انتخابی عمل میں بہتری کب آتی ہے؟ سیاسی پارٹیاں کب انتخابی کمیشن کو اس قدر مضبوط بنانے پر متفق ہوتی ہیں کہ یہ ایسے انتخابات منعقد کرا سکے جن پر حرف گیری ممکن نہ ہو؟ سیاسی کردار اپنے مخالفین کے مقابلے میں زیادہ کچھ گنوائے بغیر جمہوریت کے اداروں پر اعتماد کس طرح بہتر بنا سکتے ہیں؟

اٹلی اور نیوزی لینڈ جیسے ممالک اپنے انتخابی نظاموں میں بھرپور پیمانے کی اصلاحات کر چکے ہیں اور میکسیکو اور کینیا جیسے ممالک نے اپنے انتخابی کمیشنوں کو زیادہ آزاد بنانے کے لئے وسیع نوعیت کی اصلاحات کیں۔ نظام نے جب جمہوری طور پر عمدہ کارکردگی نہ دکھائی تو بھی یہ معمول کے مطابق کام کرتے رہے جس کی ایک مثال نیوزی لینڈ ہے جہاں ایک پارٹی نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے لیکن انتخابات ہار گئی۔

انتخابی شعبے میں بڑی کامیابیاں اس وقت ہوتی ہیں جب پارٹیاں ماہرین کے بقول ''pacting over institutions'' پر رضامند ہو جاتی ہیں۔ لازمی طور پر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سیاسی قوتیں انتخابی کمیشن کو سیاسی اثر و رسوخ سے مکمل طور پر آزاد کرنے پر متفق ہیں۔

اس کی ایک پہلی مثال کینیڈا میں سامنے آئی جہاں برسراقتدار حکومتوں کی طرف سے انتخابی قوانین کو کھلم کھلا اپنے حق میں استعمال کرنے جیسے مسائل نے 1920 میں انتخابی مینجمنٹ کے اولین اداروں میں سے ایک کے قیام کی راہ ہموار کی۔ اصلاحات کے نتیجے میں ایک نئے وفاقی ادارے 'الیکشنز کینیڈا' نے جنم لیا جو ایک واحد اور طاقتور چیف الیکٹورل آفیسر کے تحت کام کرتا ہے اور اپنے بجٹ کی منظوری خود دیتا ہے۔

اسی طرح کی صورتحال 1990 میں میکسیکو میں سامنے آئی جب مبینہ انتخابی دھوکہ دہی کی بڑھتی قیمت کے باعث سیاسی قیادت نے 'خود اپنے ہاتھ باندھ لئے' اور ایک بھرپور اور معقول فنڈز کا حامل انتخابی ادارہ قائم کیا۔ اصلاحات کا سلسلہ جاری ہے لیکن آج میکسیکو کے انتخابی اداروں کو ان کی آزادی اور پیشہ ورانہ سوچ پر داد دی جاتی ہے۔

تیسری اور ماضی قریب کی ایک مثال کینیا کی ہے جہاں 2007 میں متنازعہ انتخابات کے نتیجے میں ہولناک تشدد ہوا۔ کینیا کے عوام نے بدنام الیکشن کمیشن میں بھرپور پیمانے کی اصلاحات کا مطالبہ کر دیا جس کے نتیجے میں ایک طاقتور اور آزاد الیکشن اینڈ باؤنڈریز کمیشن وجود میں آیا جسے انتخابی حلقہ بندی اور انتخابات کے انتظامات کے اختیارات حاصل تھے۔

ایک آخری مثال بعد از انقلاب کے تیونس میں دیکھنے کو ملتی ہے جہاں سیاسی کردار دو ججوں، ایک وکیل، ایک یونیورسٹی پروفیسر اور خزانہ و انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ماہرین پر مشتمل ایک نئے آزاد کمیشن کو بے پناہ اختیارات دینے پر متفق ہو گئے۔ دیگر اصلاحات کے تحت کمیشن نے پریزائیڈنگ افسران کا کام کرنے کے لئے تربیت یافتہ شہریوں کو تعینات کیا۔

ان مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سیاسی قیادت بعض صورتوں میں 'خود اپنے ہاتھ باندھنے' اور سیاسی مداخلت سے پاک انتخابات کرانے کے لئے انتخابی اداروں کو بااختیار بنانے پر متفق ہو جاتی ہے۔ پاکستان کے سیاق وسباق میں ایسے کسی سمجھوتے کا مطلب یہ ہوگا کہ ملک کے اہم سیاسی قائدین میں الیکشن کمیشن کو مینڈیٹ، وسائل اور انتخابات کے انعقاد کے لئے قیادت کے ساتھ مزید بااختیار بنانے پر اتفاق رائے پیدا ہو جائے اور یہ اس قدر عمدہ ہو کہ کوئی اس پر حرف گیری نہ کر سکے۔

بے خوف قیادت کا حامل بااختیار الیکشن کمیشن

قیادت اوپر سے آتی ہے اور چیف الیکشن کمشنر اور الیکشن کمیشن کے ارکان کی تقرری اور قابلیت و اہلیت کی اہمیت کسی قدر کم اہم نہیں۔ یہ وہ شعبہ ہے جہاں اصلاحات واقعی ثمر آور ثابت ہو سکتی ہیں۔

الیکشن کمیشن کے کام میں درپیش مشکلات اپنی جگہ کچھ کم اہم نہیں۔ الیکشن کمیشن ایک دن میں ایک ایسے انتخابی عمل کے انتظامات کرتا ہے جو دنیا میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی کارروائیوں میں سے ایک ہے۔ اس کام کی ہیئت اپنی جگہ، لیکن سلامتی، ترقی اور رسائی سے متعلق پاکستان کے منفرد مسائل اسے کہیں زیادہ کٹھن بنا دیتے ہیں۔ اس کے فرائض میں نہ صرف تنازعات کا تصفیہ شامل ہے بلکہ اسے ملک بھر میں تعینات مستقل عملہ اور لاکھوں کی تعداد میں عارضی انتخابی عملہ کا نظام بھی چلانا ہوتا ہے۔
الیکشن کمیشن کے ارکان کے طور پر تعینات کئے جانے والے فرد یا افراد کی قابلیت و اہلیت کا کوئی ایک ماڈل نہیں مل سکتا لیکن چند بہترین مروجہ طریقے ایسے ہیں جو دنیا بھر سے معقول مثالوں کے طور پر ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ ریٹائرڈ ججوں کی تقرری کے پاکستانی ماڈل سے ملتی جلتی چند مثالیں بین الاقوامی سطح پر بھی ملتی ہیں۔ لاطینی امریکہ اور مشرق وسطیٰ کے متعدد ممالک صرف ججوں کو تعینات کرتے ہیں لیکن چند ایسے ہیں جو ان عہدوں کو پہلے سے ریٹائرڈ افراد کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔ البتہ زیادہ عام صورت یہ ہے کہ قانون، پبلک ایڈمنسٹریشن، پولیٹکل سائنس یا میڈیا جیسے شعبوں میں مہارت کی حامل سیاسی طور پر غیر جانبدار، معروف عوامی شخصیات کو تعینات کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ آسٹریلیا، بنگلہ دیش، کینیڈا، بھارت اور انڈونیشیا سمیت متعدد ممالک میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تیونس نے ایک نئی راہ نکالی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس نے مختلف مہارتوں کے حامل افراد پر مشتمل کثیر رکنی کمیشن تشکیل دیا ہے۔

کئی ممالک میں الیکشن کمیشن کے ارکان کے لئے ریٹائرمنٹ کی عمر طے کر دی گئی ہے جس کا مقصد اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ کمیشن کو وہ افسران چلائیں جو اپنے کیریئر کی بلندی پر ہوں۔ بھارت، کینیڈا اور ملائشیا میں کمیشن کے ارکان کی ریٹائرمنٹ کی عمر 65 سال ہے۔ گھانا میں زیادہ سے زیادہ عمر کی حد 70 سال ہے۔ اس طرح کی اصلاحات الیکشن کمیشن میں ایک نئی روح پھونک سکتی ہیں اور رائے دہندگان (جن میں سے زیادہ تر نوجوان ہوتے ہیں) کے ساتھ اس کے تعلق و رابطے کو بہتر بناتے ہیں۔

کمیشن کی قیادت کے لئے سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ ججوں کی تقرری کا آئینی تقاضا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ تقرری کے لئے اہل و دستیاب افراد کا دائرہ انتہائی محدود ہو۔ کچھ ایسے جو اہل ہوتے ہیں وہ اپنے کیریئر کا عروج دیکھ چکے ہوتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ جاتے جاتے اس عہدے کے ہاتھوں ہونے والی تنقید کا بار ساتھ لے کر جائیں۔ پاکستان میں اصلاحات پر کام کرنے والوں کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ آیا ارکان اور عملہ کی تقرری میں عدلیہ سے باہر کے لوگوں کو بھی لایا جائے تاکہ دیگر شعبوں مثلاً سول سوسائٹی، کاروباری حلقوں یا سول سروس کے باصلاحیت افراد پر مشتمل ایک وسیع تر دائرہ تشکیل دیا جا سکے۔ اصلاحات میں کئی دیگر ملکوں کی طرح ریٹائرمنٹ کی عمر کی حد بھی شامل ہو سکتی ہے۔

ان اصلاحات کے حوالے سے افراد پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ای ایم بی کی قیادت کو اپنے ہر فعل میں بے خوف ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے کام کے سیاسی مضمرات سے قطع نظر کسی جانبداری کے بغیر انتخابی عمل کے تقدس کا فعال طریقے سے تحفظ کر سکے۔ ایک پرعزم الیکشن کمشنر کی موجودگی اکثر کمیشن کو مستحکم بنانے میں قانونی اختیارات سے زیادہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔

شخصیات اہم ہوتی ہیں کیونکہ آزاد ریاستی ادارے اپنی آزادی کی تعمیر عمل کے ذریعے کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر الیکشن کمیشن آف انڈیا بڑے جارحانہ انداز میں اپنے اختیارات اور اتھارٹی کا استعمال کرتا ہے جس میں خود اپنا آئینی مینڈیٹ معطل کرنے کی دھمکی، دھوکہ دہی کی صورت میں دوبارہ پولنگ کا حکم دینا، پولیس اور انتظامی افسران کے تبادلوں کو جانبدارانہ جھکاؤ سے محفوظ بنانا شامل ہیں۔ ان اقدامات سے انتخابی عمل کی موثر مینجمنٹ کے حوالے سے ادارے کا مینڈیٹ مستحکم ہوا ہے جس میں انتخابی ڈیوٹیوں پر مامور سول ملازمین کا نظم وضبط خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

بجٹ کی منظوری و اجراء اگر حکومت سے جڑے ہوں تو بھی آزادی مخدوش ہو سکتی ہے۔ یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس میں الیکشن کمیشن موجودہ اختیارات کے تحت ہی مزید بہتری پیدا کر سکتا ہے۔ الیکشن کمیشن کو سپریم

©یو این ڈی پی پاکستان

کورٹ آف پاکستان، سینیٹ، اور دیگر آئینی اداروں کی طرح خاطرخواہ مالی اختیارات حاصل ہیں۔ الیکشن کمیشن ’فیڈرل کنسالیڈیٹڈ فنڈ‘ سے براہ راست اخراجات بھی وصول کرسکتا ہے جس میں وفاقی اداروں کی طرف سے جمع کئے جانے والے تمام ریونیوز شامل ہوتے ہیں۔ پارلیمنٹ الیکشن کمیشن کے اخراجات پر بحث کرسکتی ہے لیکن ان کی منظوری میں اس کا کوئی کردار نہیں۔ یہ بجٹ اختیارات ویسے ہیں جس طرح دوسرے الیکشن کمیشنوں مثلاً الیکشنز کینیڈا کو حاصل ہیں اور الیکشن کمیشن کو حاصل آئینی اختیارات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

انتخابی اصلاحات کے ثمرات

انتخابی اصلاحات پر بھرپور بحث کے دوران متعلقہ فریقوں کی طرف سے کئی تجاویز پیش کی گئیں۔ وسیع نوعیت کی اہم اصلاحات کو بالا سطور کے علاوہ ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ کے اس شمارے میں دیئے گئے دیگر آرٹیکلز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ میڈیا پر ’جادوئی چھڑی‘ نما ٹیکنالوجیز اور انجینئرنگ کے پیچیدہ معکوس طریقوں مثلاً انتخابی فہرستوں کی انگوٹھے کے نشان سے تصدیق وغیرہ کا چرچا کافی ہے۔ ہائی ٹیک طریقے جہاں بعض مسائل کو حل کرتے ہیں وہیں یہ نئے مسائل کو بھی جنم دے سکتے ہیں اور اخراجات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے (دیکھیں، ’’کیا ٹیکنالوجی کا استعمال انتخابی عمل میں بہتری لاسکتا ہے؟‘‘)۔ معاشرے کو بعض ایسی سادہ اصلاحات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے جو زیادہ مشکل میں پڑے بغیر ممکن بنائی جاسکتی ہیں جیسے:

1. ووٹ دینے والے افراد کی گنتی۔ اس سادہ سے طریقے پر کوئی خرچ نہیں آتا اور یہ پولنگ سٹیشن پر، پر کئے جانے والے بنیادی فارموں کے ذریعے انجام دیا جاسکتا ہے۔ اس میں پولنگ ختم ہونے پر انتخابی فہرستوں پر دستخطوں یا انگوٹھے کے نشانوں کی تعداد شمار کی جاتی ہے۔ یہ دنیا بھر کے ملکوں میں استعمال کیا جانے والا معیاری طریقہ ہے۔ پولنگ ختم ہونے پر پولنگ ٹیم انتخابی فہرستوں پر دستخطوں یا انگوٹھے کے نشانوں کی تعداد شمار کرتی ہے، اسے نتائج فارم پر نوٹ کرتی ہے اور پھر اس کا موازنہ بیلٹ باکس سے ملنے والے بیلٹ پیپرز کی تعداد سے کرتی ہے۔ اگر یہ تعداد برابر نہ ہو اور اس میں ضائع شدہ بیلٹ پیپرز کا حساب نہ ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیلٹ باکس بھرے گئے ہیں اور اس پر مزید تحقیقات ہونی چاہئیں۔ اس کے لئے طریقوں میں ایک سادہ سی تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔

2. مستقل پولنگ سکیم کی تشکیل۔ پولنگ سکیم ووٹ دینے کے مقامات کی فہرست ہوتی ہے (جو بنیادی طور پر سکول ہوتے ہیں) اور اس میں بتایا جاتا ہے کہ بلاک کوڈ کے لحاظ سے کتنے رائے دہندگان اس پولنگ سٹیشن پر ووٹ دیں گے۔ پولنگ سکیموں کو انتخابی مینجمنٹ میں نہ صرف منطقی اعتبار سے اور رائے دہندگان کی معلومات کے حوالے سے بنیادی حیثیت حاصل ہے بلکہ اس بناء پر بھی کہ ’گھوسٹ‘ پولنگ سٹیشن بنا کر یا انہیں منظّم طریقے سے رائے دہندگان کے لئے رسائی میں مشکل بنا کر ان کے ذریعے ناروا سیاسی فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ صرف ایک گھوسٹ پولنگ سٹیشن صوبائی اسمبلی کی کسی نشست پر انتخاب کا پلڑا دوسری جانب گرانے کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔

موجودہ قوانین کے تحت پولنگ سکیم کی تشکیل اور مینجمنٹ ریٹرننگ افسر کی ذمہ داری ہے اور اس میں کوئی تبدیلی انتخابات سے دو ہفتے پہلے تک ہی کی جاسکتی ہے۔

مبصرین کے مطابق ریٹرننگ افسران نے اس قانونی ڈیڈلائن کی چنداں پرواہ نہ کی اور اس کے بعد بھی پولنگ سکیموں میں تبدیلی کا سلسلہ جاری رہا۔ یوں رزلٹ مینجمنٹ سسٹم میں تازہ ترین معلومات اپ ڈیٹ نہ ہوسکیں جس کے باعث رائے دہندگان الجھاؤ کا شکار ہوگئے اور نتائج کی کارروائی میں تاخیر ہوئی۔

قوانین میں سادہ سی تبدیلی کے ذریعے یہ ذمہ داری ضلعی الیکشن کمشنر کو منتقل کی جاسکتی ہے جو ہر ضلع میں الیکشن کمشنر کا مستقل افسر ہوتا ہے۔ ضلعی الیکشن کمشنر تمام تر انتخابی عمل کے دوران ایک مستقل پولنگ سکیم سے کام لے سکتے ہیں جسے الیکشن کمیشن کی ویب سائٹ ecp.gov.pk پر براہ راست اپ ڈیٹ کیا جائے اور مقامی وصوبائی دفاتر میں بھجوا دیا جائے۔

3. نتائج کی کارروائی کی شفافیت میں اضافہ

متعلقہ فریقوں کی طرف سے بالعموم انتخابی مہم اور ووٹنگ کے عمل کے مقابلے میں ان کارروائیوں پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی جو ووٹوں کی گنتی کے بعد انجام دی جاتی ہیں۔ بہرحال نتائج میں کسی تاخیر یا شفافیت کے فقدان کے باعث تمام تر انتخابی عمل پٹڑی سے اتر سکتا ہے اور دیگر شعبوں میں ہونے والی کامیابیوں کی نفی ہوسکتی ہے۔ نتائج کی شفاف کارروائی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی رائے دہندہ یا پارٹی ایجنٹ پولنگ سٹیشن پر نتائج کی تیاری کی کارروائی کی پڑتال کرسکتا ہے اور شروع سے آخر تک تمام اعداد وشمار پر نظر رکھ سکتا ہے۔ 2013 میں الیکشن کمیشن نے (اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کی معاونت سے) نتائج کی تیاری کی کارروائی کے بڑے اجزاء کو ڈیجیٹائز کردیا اور مینوئل اجزاء کے لئے ’ٹیمپر ایویڈنٹ بیگ‘ کا استعمال کیا گیا۔ گزشتہ انتخابات اور مستقبل کے عام انتخابات کے حوالے سے ایک شاندار قدم یہ ہے کہ تمام تر کارروائی کو آن لائن کردیا جائے گا جسے سب لوگ دیکھ سکیں گے۔ بہرحال سورج کی روشنی بہت سے تاریک پہلوؤں کو سب کے سامنے لے آتی ہے۔

یہ کم خرچ لیکن بہتر افادیت کی حامل تجاویز کی چند مثالیں ہیں لیکن کسی بھی لحاظ سے یہ کوئی مکمل فہرست نہیں۔ اصلاحات کے کسی بھی عمل میں ان اصلاحات کی فوائد کے اعتبار سے ترجیحی ترتیب بنائی جاسکتی ہے۔

انتخابی عمل کی دیانتداری

انتخابی عمل کی دیانتداری یقینی بنانے اور خاطر خواہ دھوکہ دہی ختم کرنے کا چبھتا مسئلہ ہماری آخری نکتہ بحث ہے۔ اس بات کا ادراک ضروری ہے کہ انتخابی عمل کی دیانتداری ایک حفظ ماتقدم پر مبنی عمل ہونا چاہئے۔ جواباً اقدام یا آخری گھڑی میں اقدام والی سوچ میں یا ٹریبونلز اور انکوائری کمیشنوں کے ذریعے اسے یقینی بنانا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ چیک اینڈ بیلنس شروع سے ہی ایک دوسرے سے جڑے ہوں چاہے یہ ریٹرننگ افسران کی تقرری کا عمل ہو یا نتائج کے شفاف نظام اپنانے کی کارروائی۔ غیر موثر بیلٹ پیپرز کی مثال کو ہی لے لیں، ایک بار جب بیلٹ پیپر کاسٹ ہو جاتا ہے تو غیر موثر کو موثر بیلٹ پیپرز سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ سسٹم میں اس بات کو مرکزی حیثیت حاصل ہونی چاہئے کہ بعد میں توثیق کے ناممکن کام کے بجائے ایسا ہونے کی روک تھام کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عمل کی دیانتداری کی پڑتال کے طریقے مثلاً انتخابی فہرستوں کی اشاعت اور جانچ پڑتال، پولنگ سٹیشنوں کی واضح اشاعت اور ہر پولنگ سٹیشن پر ہر پارٹی کے تربیت یافتہ نمائندوں کی موجودگی بہت ضروری ہے۔

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ کے موجودہ شمارے میں انتخابی تنازعات کے تصفیہ سے ٹیکنالوجی کے کردار اور انتخابی تنازعات کے اہم ترین مسئلے تک، متعدد انتخابی موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اصلاحات کا ہر شعبہ انتخابی عمل کے لئے اہم ہے لیکن صرف اپنے طور پر کوئی ایک ہرگز کافی نہیں۔ انتخابی عمل کے معیار کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ ان میں سے ہر سسٹم کام کررہا ہو۔ ناقص ٹیکنالوجی، ناقص تربیت یافتہ عملہ، لاجسٹکس میں تاخیر یا انتخابی مہم پر سرمایہ لگانے کی پابندیوں کی خلاف ورزیاں، اس عمل پر عوامی اعتماد کو ٹھیس پہنچا سکتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ کوئی انتخاب بے عیب نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ قدیم جمہوریتوں یا انتہائی متاثر کن انتخابی اداروں کی صورت میں بھی مسائل، بدعنوانیاں اور حتیٰ کہ دانستہ دھوکہ دہی کے واقعات دیکھنے کو ملیں گے۔ دھوکہ دہی ہر صورت میں ہوسکتی ہے اور کوئی بھی ملک فول پروف نظام یقینی نہیں بنا سکتا۔ ایسا کیا کیا جائے کہ دھوکہ دہی کرنا اتنا مہنگا، مشکل اور پرخطر ہو جائے کہ لوگ دھوکہ دہی نہ کرنے میں ہی عافیت جانیں۔ انتخابی عمل کے منتظمین اور جمہوری طرز حکمرانی میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کا مقصد یہی ہونا چاہئے کہ ممکنہ عملی حد تک دھوکہ دہی اور بدعنوانی کو کم اور ختم کرے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ شمارہ اس حوالے سے سودمند رہے گا۔

انتخابی اصلاحات پر پارلیمانی کمیٹی کے بعد: انتخابی اصلاحات بل پر کیا ہوگا؟

انتخابی اصلاحات پر پارلیمانی کمیٹی کی تشکیل اس حوالے سے خاطرخواہ پیشرفت کا ایک خاطرخواہ موقع فراہم کرتی ہے۔ اس عمل میں اگلے مراحل کیا ہوں گے، اس کا ایک خاکہ ذیل میں دیا گیا ہے:

پارلیمانی کمیٹی جب اپنی سفارشات کو حتمی شکل دے دے گی تو امکان ہے کہ کمیٹی کے تمام ارکان اس دستاویز پر اپنے دستخط کریں گے۔ اس طرح طے ہونے والے مسودہ میں آئین یا مروجہ قوانین میں ترامیم کی تجاویز بھی شامل ہوسکتی ہیں۔ ہر صورت میں اگلا مرحلہ کابینہ کی منظوری کا ہوگا۔

کابینہ کی منظوری کے بعد وزیر قانون وانصاف یہ بل ایوان میں پیش کریں گے۔ اس طرح کے بل عام طور پر متعلقہ مقنّنہ کمیٹی کو بھیج دیئے جاتے ہیں لیکن جس طرح اٹھارہویں ترمیم کے معاملے میں ہوا تھا، یہاں بھی امکان ہے کہ یہ مرحلہ حذف کردیا جائے گا کیونکہ پارلیمانی کمیٹی پہلے ہی اس پر تفصیلی بحث کرچکی ہوگی۔ کسی بھی صورت میں کمیٹی یا قومی اسمبلی کا کوئی رکن سپیکر سے درخواست کرسکتا ہے کہ وہ اسے دوبارہ کمیٹی کو بھجوائیں۔ پھر یہ سپیکر کی صوابدید پر ہوگا کہ آیا وہ ایسا کرتے ہیں یا نہیں۔

کمیٹی کے مرحلے سے گزرنے کے بعد اس بل کو ’آرڈر آف دی ڈے‘ میں شامل کرلیا جائے گا اور ارکان میں تقسیم کردیا جائے گا۔ کم وبیش دو دن بعد متعلقہ وزیر یا بل کے پیش کنندہ بل کو زیر غور لانے (اسی دن یا کسی اور دن) اور بل سلیکٹ کمیٹی کو بھجوانے یا مزید آراء کے حصول کے لئے بل تقسیم کرنے کی تحریک پیش کرسکتے ہیں۔

اگر کسی رکن کی طرف سے اس بناء پر کوئی اعتراض نہ اٹھایا گیا کہ یہ بل یا اس میں تجویز کی گئی ترامیم اسلام کی تعلیمات کے منافی ہیں، تو وزیر موصوف یہ بل منظوری کے لئے پیش کرسکتے ہیں۔

اصلاحات کے تحت اگر آئین میں ترامیم تجویز کی گئیں تو پھر ضروری ہوگا کہ دونوں ایوانوں کی دو تہائی اکثریت اس کی منظوری دے۔ بل کی پہلے قومی اسمبلی اور پھر سینیٹ سے منظوری ضروری ہوگی جس کے بعد یہ حتمی طور پر دستخط کے لئے صدر کو بھجوا دیا جائے گا۔ اگر سینیٹ ترامیم سمیت اس کی منظوری دے دیتی ہے تو پھر یہ منظوری کے لئے قومی اسمبلی کو واپس بھجوایا جائے گا۔ اگر سینیٹ نے 90 دن میں اس کی منظوری نہ دی تو پھر اسے مشترکہ سیشن میں شامل کرلیا جائے گا۔

©یواین ڈی پی پاکستان

اصلاحات کے لیے اہم مسائل

	مسئلہ کیا ہے؟	مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو کیا ہیں؟	آپشنز کیا ہیں؟	بین الاقوامی مثالیں
الیکشن کمیشن کی قیادت اور آزادی	الیکشن کمیشن بے خوف آزادی کس طرح حاصل کرسکتا ہے؟ چیف الیکشن کمشنر اور ارکان کی تقرری کا عمل، قابلیت واہلیت اور ریٹائرمنٹ کی عمر۔ الیکشن کمیشن اور اس کی صوبائی ومقامی شاخوں کی حکومتی اور سیاسی مداخلت سے آزادی۔	الیکشن کمیشن کی قیادت شاید اس بات کے تعین میں واحد اہم ترین حیثیت رکھتی ہے کہ الیکشن کمیشن بطور ادارہ کس قدر قابل اعتبار اور آزاد ہے۔ قیادت طے کرے گی کہ الیکشن کمیشن اپنے وسیع آئینی اختیارات کو کس حد تک بھرپور طریقے سے استعمال کرتا ہے اور اپنے مینڈیٹ پر پورا اترتا ہے۔	اصلاحات کے اہم سوالات یہ ہیں: 1) آیا چیف الیکشن کمشنر اور کمیشن کے ارکان کے طور پر اہل دستیاب افراد کے دائرے کو محض سپریم کورٹ کے جج صاحبان سے توسیع دے کر دیگر شعبوں مثلاً سول سوسائٹی، کاروباری شعبے یا سول سروس کے باصلاحیت افراد کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔ 2) آیا اصلاحات میں دیگر کئی ممالک کی طرح ریٹائرمنٹ کی عمر (65 یا 70 سال) بھی شامل ہونی چاہئے۔	تیونس میں الیکشن کمیشن دو ججوں، ایک وکیل، ایک یونیورسٹی پروفیسر اور خزانہ وانفارمیشن ٹیکنالوجی کے ماہرین پر مشتمل ہے۔ کمیشن پریزائیڈنگ افسران کے کام کے لئے تربیت یافتہ شہریوں کو تعینات کرتا ہے۔
ریٹرننگ افسران (آر او) اور پولنگ عملہ	ضلعی سطح کے ریٹرننگ افسران (ضلعی ریٹرننگ افسر۔ ڈی آر او) اور حلقہ کی سطح کے ریٹرننگ افسران (آر او) کے علاوہ پولنگ عملہ کی تقرری	انتخابی انتظامیہ کی صف اول کے طور پر ریٹرننگ اور پریزائیڈنگ افسران کا کردار کسی انتخابی عمل کی قابل اعتبار حیثیت کے حوالے سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔	بحث کے بنیادی پہلوؤں میں ان کی تقرری، پیشہ ورانہ سوچ، آزادی، غیر جانبداری، کارکردگی ومینجمنٹ شامل ہیں۔ دیکھیں جدول ''ریٹرننگ افسران/ضلعی ریٹرننگ افسران کی تشکیل کے ممکنہ متبادل''	متعدد ممکنہ آپشنز کے ساتھ جب یہ پیش کیا گیا تو یو این ڈی پی کی صوبائی مشاورتوں میں شریک متعلقہ فریقوں نے بالعموم عارضی عملہ پر موثر انتظامی کنٹرول (بھارتی ماڈل) کے علاوہ پریزائیڈنگ افسر اور ریٹرننگ افسر دونوں عہدوں پر مارکیٹ سے اہل افراد کی بھرتی (کینیڈا کا ماڈل) کی ضرورت پر سفارش کی
صنف کا فرق (رائے دہندگان کا اندراج اور ٹرن آؤٹ)	رائے دہندگان کے اندراج، ووٹر ٹرن آؤٹ اور منتخب عہدے کے امیدواروں کی حیثیت سے مردوں اور خواتین کے تناسب کے درمیان فرق۔	سب کے لئے حق رائے دہی انتخابات کا اہم ترین بین الاقوامی معیار ہے۔ 2013 کی انتخابی فہرستوں میں خواتین کا فرق تقریباً 11 ملین کا تھا لیکن خواتین کا ٹرن آؤٹ نمایاں حد تک کم یعنی 49 فیصد با جومردوں کے 60 فیصد کے مقابلے میں کہیں کم ہے۔ یہ فرق ثقافتی اقدار، عدم تحفظ، اور/یا ضابطے کی کارروائیوں کے مسائل مثلاً کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ کے مسئلہ کے باعث ایک منظم انداز میں خواتین کی حق رائے دہی سے محرومی کو ظاہر کرتے ہیں۔ مزید برآں، پارلیمنٹ، قومی اسمبلی اور مقامی حکومت کے نظاموں میں خواتین کی بالواسطہ نشستوں کے نظام میں بھی جائز قانونی حیثیت کی پائی جاتی ہے۔	رائے دہندگان کے اندراج میں پائے جانے والے فرق کو طویل مدتی مہم کے ذریعے کم کیا جاسکتا ہے جس میں خواتین کا اندراج کرانے کو مرکزی حیثیت دی جائے۔ مقامی، صوبائی اور قومی سطحوں پر بلاواسطہ کے بجائے بالواسطہ انتخاب کے ذریعے مخصوص نشستوں کے نظاموں کو مستحکم بنانے کے متعدد معقول آپشن موجود ہیں۔	یوگنڈا، بھارت، فرانس اور بولیویا جیسے ممالک نے خواتین کی مخصوص نشستوں پر بالواسطہ کے بجائے بلاواسطہ انتخاب کا طریقہ اپنا کر سیاست میں صنفی برابری پر خاصی پیشرفت دکھائی ہے۔ بھارت میں مقامی حکومت کے نظاموں کے طرز حکمرانی میں بطور قائد خواتین کے لئے خصوصی اقدامات کے ذریعے خاصی بہتری لائی گئی ہے۔
انتخابی شکایات اور تنازعات	انتظامی اور عدالتی عمل جس کے ذریعے انتخابی شکایات اور تنازعات کا تصفیہ کیا جاتا ہے۔	انتخابی نظام انصاف منصفانہ اور بروقت ہونا چاہئے تاکہ انتخابی تنازعات سڑکوں پر نہ آئیں، ترقی میں رکاوٹ نہ بنیں یا منتخب حکومت کی جائز قانونی حیثیت کو نقصان نہ پہنچے۔ انتظامی نوعیت کی شکایات مثلاً انتخابی مہم یا پولنگ سے متعلق خلاف ورزیوں کے لئے تصفیہ کا الگ انتظامی عمل ہونا چاہئے تاکہ یہ ایک بھرپور تنازعہ کی شکل اختیار نہ کرنے پائیں۔	متعلقہ فریقوں کو الیکشن ٹریبونل کی کارروائی کا جائزہ لے کر یہ دیکھنا چاہئے کہ اسے کس طرح بے روک ٹوک بنایا جاسکتا ہے مثلاً درخواست میں تمام انتخابی امیدواروں کے شامل ہونے کی شرط ختم کردی جائے وغیرہ۔ علاوہ ازیں انتخابی مہم اور پولنگ سے متعلق شکایات نمٹانے کے لئے الیکشن کمیشن کے اندر قائم شکایات کے باضابطہ انتظامی عمل کا جائزہ لیا جائے۔	
انتخابی مہم پر سرمایہ لگانے کی حد کا ضابطہ	سیاست میں کالے یا سیاہ دھن کے اثرات کو کم کرنے کی کوششیں۔ انتخابی مہم کے لئے عطیات اور پارٹیوں اور امیدواروں کی طرف سے رقوم خرچ کرنے کے ضابطہ کے تحت قانونی حدود، مراعات، عوامی فنڈز کی فراہمی، اور معلومات افشاء کرنے کی شرائط	پیسہ جہاں جمہوری سیاست کے لئے ضروری ہے وہیں کسی ضابطے کے بغیر عطیات واخراجات، اور غیر قانونی وسائل کا استعمال سیاست اور انتخابات کی دیانتداری پر سنگین اثرات مرتب کرسکتا ہے۔ موبائل فون اور انٹرنیٹ کے بڑھتے ہوئے استعمال اور نجی ٹی وی چینلز کے پھیلاؤ نے رائے دہندگان تک پہنچنے کے لئے ابلاغ کے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ تاہم ان نئی ٹیکنالوجیز کے استعمال نے انتخابی مہم کے اخراجات کو بھی بڑھا دیا ہے۔	موجودہ دفعات، اخراجات کی حدود، نفاذ اور نگرانی کے نظاموں کا جائزہ۔ 1. اخراجات کی موجودہ حدود پر نظرثانی کرتے ہوئے ان کی پاسداری کو آسان بنایا جائے اور ہر حلقے کے لئے اخراجات کی حد اس کے حجم اور رائے دہندگان کی تعداد کے مطابق مقرر کی جائے۔ 2. امیدواروں کو عطیات پر عائد پابندیوں کو مضبوط بنایا جائے۔ 3. الیکشن کمیشن کو بااختیار بنایا جائے کہ وہ انتخابی مہم اور پارٹی اخراجات کے بارے میں تحقیقات اور باز پرس کرسکے۔ 4. کالے اور سیاہ دھن کے استعمال پر کڑی پابندیاں عائد کی جائیں۔	
انتخابی ٹیکنالوجی	جیسے جیسے برقی آلات قدرے کم خرچ، زیادہ اثر انگیز اور زیادہ محفوظ ہو رہے ہیں، رائے دہندگان کے اندراج سے انتخابی فہرستوں تک انتخابی عمل کے مختلف مراحل میں متعدد ٹیکنالوجیز استعمال کی جارہی ہیں۔	متعلقہ فریقوں کے بعض حلقے سمجھتے ہیں کہ انتخابی ٹیکنالوجیز انتخابی مسائل پر قابو پانے کے لئے 'جادوئی چھڑی' کا کام دے سکتی ہیں لیکن اصلاحات پر کام کرنے والوں کو اس بات پر محتاط طریقے سے غور کرنا چاہئے کہ آیا مجوزہ ٹیکنالوجی ان مسائل کو دور کرتی ہے جنہیں حل کرنے کی کوشش وہ کررہے ہیں اور آیا اس کی قیمت قابل قبول ہے۔	دو اہم ٹیکنالوجیز، بائیومیٹرک طریقے سے رائے دہندہ کی شناخت اور الیکٹرانک ووٹنگ مشینیں آئندہ انتخابات کے لئے متعلقہ فریقوں کی طرف سے تجویز کی گئی ہیں۔ متعلقہ فریقوں کی آراء ملی جلی ہیں کہ آیا ان ٹیکنالوجیز کے خطرات اور اخراجات متوقع ثمرات پر بھاری ہیں۔ متبادل کے طور پر موجودہ ٹیکنالوجیز یعنی کمپیوٹرائزڈ رزلٹ مینجمنٹ اور پولنگ سکیموں کی مینجمنٹ کو مستحکم بنا کر نمایاں خرچ کے بغیر شفاف حیثیت کو نمایاں حد تک بہتر بنایا جاسکتا ہے۔	چار ممالک بھارت، برازیل، وینزویلا اور فلپائن، ملک گیر انتخابات کے لئے ای وی ایم استعمال کررہے ہیں۔ تین ممالک یعنی گھانا، کینیا اور وینزویلا نے رائے دہندہ کی شناخت کے بائیومیٹرک طریقے کا استعمال کیا ہے لیکن کامیابی ملی جلی رہی ہے کیونکہ کئی رائے دہندگان کے انگوٹھے کے نشان ایسے ہیں جو مشین میں نہیں آتے۔

انتخابی اصلاحات، ایک طویل سفر

پاکستان میں آزادی کے بعد ہونے والے پہلے انتخابات کے وقت سے انتخابی نظام میں اصلاحات کا موضوع زیر بحث چلا آ رہا ہے۔ ملک کے پہلے انتخابات پر وسیع پیمانے کی اور کھلم کھلا دھاندلی کے الزامات عائد کئے گئے۔ 1977 کے عام انتخابات کے بعد یہ بحث اس وقت زیادہ شدت اختیار کر گئی جب کسی بھی پارٹی یا بحیثیت مجموعی عوام نے کسی بھی انتخاب کو تسلیم نہ کیا۔ یہ شکایات وزیر اعظم کی برطرفی کے لئے چلائی جانے والی ایک بھرپور تحریک کا باعث بن گئیں۔

اس بناء پر انتخابی ضوابط اور طریقوں کو تمام تر عمل کا حصہ بنانے کی موجودہ سرگرمیوں کو متاثرہ پارٹیوں اور سول سوسائٹی دونوں کی طرف سے حمایت ملی ہے۔

اگرچہ انتخابی اصلاحات کی موجودہ مہم کو دھاندلی کی شکایات نے آگے بڑھایا ہے لیکن یہ بات بھی بالکل عیاں ہے کہ نظام میں پائی جانے والی کمیوں اور کجیوں کے بغیر انتخابی جوڑ توڑ ممکن نہیں۔

لہٰذا زیر بحث امور کچھ اس طرح سے ہیں:

الف: الیکشن کمیشن آف پاکستان کی آزاد حیثیت کا سوال۔

ب: تمام اہل رائے دہندگان بالخصوص محروم طبقات مثلاً خواتین اور اقلیتی برادریوں کے ارکان کے لئے اپنے جمہوری حقوق سے استفادہ کے مساوی مواقع۔

ج: درست و مصدقہ انتخابی فہرستوں کی تیاری اور انتخابی حلقوں کی منصفانہ حد بندی۔

د: انتخابات میں دھاندلی یا امیدواروں/پارٹیوں کی طرف سے جوڑ توڑ یا رائے دہندگان کی طرف سے دھوکہ دہی کے تدارک کے لئے حفاظتی اقدامات۔

ر: انتخابی تنازعات کے تصفیہ کے انتظامات۔

ز: عقیدے کی بناء پر امتیاز۔

س: کم مادی وسائل کے حامل افراد کی انتخابی مواقع سے محرومی۔

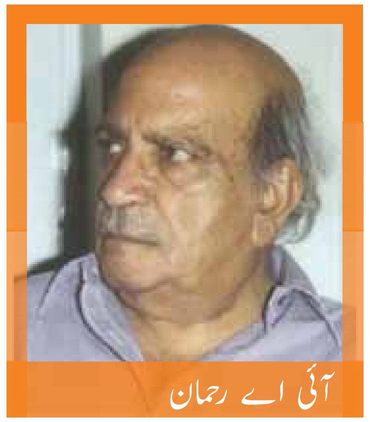

آئی اے رحمان
ڈائریکٹر
ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی)

ان سبھی شعبوں کے حوالے سے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے بعض مسائل تو ایسے ہیں جن کے فوری ازالہ کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی اور تمام متعلقہ حلقوں کو ایک طویل اور دیرپا کوشش کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ پھر بھی کوئی ایسا فریم ورک تشکیل دینے میں کسی تاخیر کی اجازت نہیں دی جا سکتی جو آزادانہ، منصفانہ اور جمہوری انتخابات کے کم سے کم معیارات پر پورا اترتا ہو۔

انتخابی نظام کے ایک بنیادی عنصر کے طور پر الیکشن کمیشن کی مطلوبہ حد تک خودمختاری کی جانب پیشرفت کا عمل ابھی حالیہ عرصے میں ہی شروع ہوا ہے۔ 2002 میں جا کر ممکن ہوا کہ الیکشن کمیشن کو ایک مستقل کثیر رکنی ادارہ بنانے کی شرط پوری ہوئی۔ عدلیہ سے لئے جانے والے پانچ افراد پر مشتمل نیا الیکشن کمیشن ابھی تک اپنے پاؤں جمانے کی کوششیں کرتا نظر آتا ہے۔

تاہم ابھی بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ الیکشن کمیشن کو اپنے کلیدی عملہ کے انتخاب میں زیادہ سے زیادہ خودمختاری دی جائے، وزارت خزانہ سے فنڈز کے حصول میں بہتر آزادی دی جائے، اور مناسب حد تک اپنے وسیع نیٹ ورک کے لئے تربیتی اداروں کی تشکیل پر بے روک ٹوک اختیار دیا جائے۔ الیکشن کمیشن کی موثر حیثیت کو بہتر بنانا بھی ضروری ہے جس کے لئے اس میں انتظامی امور کے ماہرین، سیاسی ماہرین اور نمائندہ اداروں پر مسلمہ حیثیت کے حامل ماہرین کو شامل کیا جانا چاہیئے۔

2013 کے عام انتخابات پر جاری بحث میں ایک مسئلہ جسے دھاندلی کے الزامات میں مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے، ریٹرننگ افسران اور پولنگ عملہ پر الیکشن کمیشن کے کنٹرول کے فقدان سے متعلق ہے۔ ملکی اور غیر ملکی دونوں طرح کے انتخابی مبصرین کا کہنا ہے کہ ریٹرننگ افسران، الیکشن کمیشن کے اپنے عملہ میں سے ہونے چاہئیں۔ اس کے پاس ایک راستہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ غیر عدالتی اداروں سے لوگوں کو منتخب کر لے جن کا احتساب زیادہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ ایک حد تک تو یہ مسئلہ اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ الیکشن کمیشن کو اس بات پر قائل کیا جائے کہ وہ رشوت، تلبیس شخصی، ناروا اثر و رسوخ، غلط بیانی اور غیر قانونی ادائیگیوں کے جرائم سے متعلق پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 171-B تا 171-1 اور بدعنوانیوں، الیکشن بوتھ پر قبضہ کرنے اور انتخابی ڈیوٹی پر مامور عملہ کے غلط اقدام یا جرم سے متعلق عوامی نمائندگی کے قانون کی دفعات کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف چارہ جوئی کے لئے اپنا اختیار استعمال کرے۔ الیکشن کمیشن کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہیئے کہ اگر شہریوں کے ایک حصے کو ووٹ دینے سے روکا جائے یا ووٹ دینے کی کارروائی میں کوئی چھیڑ چھاڑ کی جائے تو وہ انتخابات کو منسوخ کر سکے۔

الیکشن کمیشن قانون کے منافی کوئی کام کرنے والے پولنگ عملہ کے خلاف کارروائی کا اختیار چاہتا ہے۔ اس حوالے سے سفارشات 2013 کے انتخابات سے پہلے دی گئیں لیکن پارلیمنٹ قانون سازی کے لئے ضابطے کی کارروائی مکمل نہ کر پائی۔ اب یہ مسئلہ بھی حل کی طرف بڑھتا نظر آتا ہے۔

انتخابی عمل کے تمام مراحل میں فعال کارکردگی اور شفافیت کو بہتر بنا کر دھاندلی پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ یہ اس صورت میں بھی مددگار رہے گی اگر الیکشن کمیشن اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے ہر سال انتخابی فہرستوں پر نظرثانی کرے، سرکردہ منتخب افراد کے مطالبات کو پس پشت ڈالتے ہوئے انتخابی حلقوں کی حد بندی کرے، اور پولنگ سٹیشنوں کے تعین کا کام انتخابات سے خاطر خواہ عرصہ پہلے مکمل کر لے۔ پارٹیوں اور امیدواروں کی طرف سے جوڑ توڑ کے ایک حربے کے طور پر دھاندلی کے امکان میں بھی نمایاں کمی لائی جا سکتی ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ انتخابی فہرستوں کے علاوہ انتخابی حلقوں کا لے آؤٹ اور ہر حلقے کے پولنگ سٹیشنوں کی معلومات آن لائن فراہم کر دی جائیں۔ اسی طرح انتخابات میں غیر جانبداری پر اٹھائے جانے والے شبہات کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ انتخابی ڈیٹا پر مشتمل مختلف فارم ہر پولنگ سٹیشن کے نتائج کے گوشوارے تیار ہونے کے فوراً بعد ویب سائٹ پر فراہم کر دیئے جائیں۔

تمام امیدواروں کے لئے بلاامتیاز مساوی مواقع پر مبنی انتخابی میدان یقینی بنانے کی ضرورت شاید سب سے زیادہ چبھنے والا مسئلہ ہے۔ احمدیوں کے لئے الگ انتخابی فہرستوں کی شرط انتخابات کی منصفانہ حیثیت پر ایک سوالیہ نشان لگا دیتی ہے اور اسے ختم کرنے کے طریقے تلاش کرنا ازحد ضروری ہے۔ خواتین اور اقلیتوں کی طرف سے اپنے ووٹ کے حق کے استعمال میں مداخلت سے نمٹنے کے لئے قوانین کو مستحکم بنانا اور ان کے نفاذ کو زیادہ بہتر طریقے سے یقینی بنانا ضروری ہے۔ ایسے خصوصی انتظامات کرنے کی ضرورت ہے جن کی بدولت پر خطر افراد یعنی خواتین، معذور افراد، قیدی، خانہ بدوش اور جبری مشقت کا شکار کارکن بھی انتخابی عمل میں شریک ہو سکیں۔

انتخابی اخراجات پر کنٹرول بھی اپنی اہمیت کے اعتبار سے ایک بڑا مسئلہ ہے۔ انتخابی اخراجات کی پڑتال کے مروجہ قوانین کو مزید سخت کرنے کی ضرورت ہے جس کی بدولت سیاسی پارٹیوں اور انتخابی امیدواروں کے اخراجات کی بازپرس بہتر طریقے سے ہو سکے۔

ایک آخری بات، الیکشن ٹریبونلز کی غیر تسلی بخش کارکردگی کئی سالوں سے ایک سنگین مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ دو شکایات عام دکھائی دیتی ہیں۔ پہلی، کارروائی میں بہت زیادہ تاخیر سے کام لیا جاتا ہے۔ ایسی مثالیں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں ووٹوں کی دوبارہ گنتی کی درخواست نہ نمٹائی گئی اور یہاں تک کہ اگلے انتخابات کا اعلان ہو گیا اور وہ درخواست دھری کی دھری رہ گئی۔ دوسری، قوانین کی تشریح کے بارے میں الجھاؤ یا ان میں پائی جانے والی خامیوں کے نتیجے میں تواتر سے ایسا دیکھنے کو ملتا ہے کہ اعلیٰ عدالتوں نے ٹریبونل کے فیصلے کو منسوخ کر دیا۔ ان دونوں شکایات کا ازالہ ممکن ہے۔ اس پر سرکاری جواب تو محض یہی رہا ہے کہ مقدمات نمٹانے کی مدت کم کر دی گئی ہے حالانکہ اس شرط کی شاذونادر ہی کوئی پرواہ کرتا ہے۔ صرف ووٹوں کی دوبارہ گنتی کی درخواستوں پر فوری فیصلہ دیا جا سکتا ہے اور الیکشن کمیشن کو منصفانہ قانونی چارہ جوئی میں معاونت کے لئے قانون اور اس سے متعلقہ طریقوں اور ضوابط پر نظرثانی کرنی چاہیئے۔

انتخابات کی منصفانہ حیثیت اور ان کی شفاف مینجمنٹ کو بہتر بنانا واقعی ممکن ہے بشرطیکہ سول سوسائٹی کے انتخابی مبصرین کو قانونی حیثیت دے دی جائے جیسا کہ دولت مشترکہ کے متعدد ممالک نے کیا ہے اور اس کے نتائج وہاں شاندار رہے ہیں۔

انتخابی نظام سے متعلق ایک گتھی جسے سلجھانا سب سے مشکل دکھائی دیتا ہے ایسے شہریوں کے لئے انتخاب میں حصہ لینے کی راہ بنانا ہے جن کے پاس وسائل کم سے کم ہیں۔ جب تک انتخابات پر صرف اشرافیہ کا غلبہ رہے گا وہ بمشکل ہی معاشرے کی کلی حیثیت میں نمائندگی کر سکیں گے۔ بلاشبہ ایسی کوئی قانونی پابندی موجود نہیں جو معاشی طور پر محروم شہریوں کو انتخابات میں حصہ لینے سے روکتی ہو لیکن لوگوں کی اکثریت انتخابی سرگرمیوں کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتی۔

بدقسمتی سے محض قوانین و ضوابط کے ذریعے محدود وسائل کے حامل لوگوں کو مدد نہیں دی جا سکتی البتہ انتخابی اخراجات پر پابندی لگا کر صورتحال کو ان کے حق میں کیا جا سکتا ہے جس کا ایک طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ انتخابی اخراجات الیکشن کمیشن ادا کرے اور تمام قانون ساز اداروں میں معاشی لحاظ سے معاشرے کے کمزور طبقات کے لئے نشستیں مخصوص کر دی جائیں۔ پھر بھی یہ مسئلہ اس وقت تک حل طلب رہے گا جب تک کہ آبادی کے بڑے حصے پر اشرافیہ کا سماجی غلبہ ختم نہیں کر دیا جاتا اور عقیدے، صنف یا سماجی حیثیت سے قطع نظر شہریوں کی شمولیت میں برابری کی جانب کوئی پیشرفت نہیں ہوتی۔

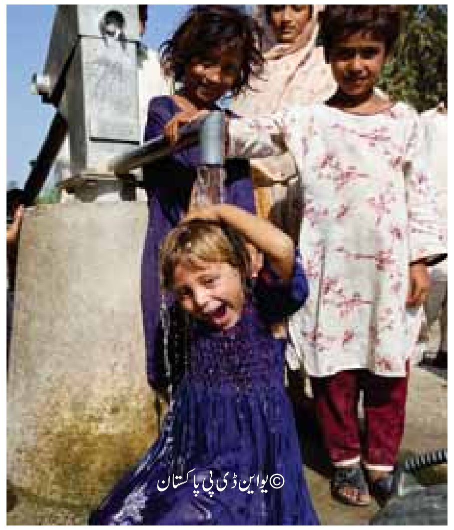

پاکستان میں انتخابی اصلاحات

صنفی خلاء کو کس طرح دور کیا جائے؟

خاور ممتاز
چیئر پرسن
نیشنل کمیشن آن دی سٹیٹس آف ویمن (این سی ایس ڈبلیو)

انتخابات شاید کسی بھی معاشرے میں جمہوری اقدار اور عمل کو مستحکم بنانے کا اہم ترین ذریعہ ہیں۔ 2013 کے انتخابات کے نتیجے میں پہلی بار اقتدار ایک سے دوسری حکومت کو منتقلی کا جمہوری عمل دیکھنے میں آیا اور ان میں رائے دہندگان کی شمولیت کی شرح بھی خاطر خواہ حد تک بلند رہی۔ انہی انتخابات میں خواتین کا ووٹر ٹرن آؤٹ بھی سب سے بلند رہا جو 45 فیصد تھا۔ اسی طرح ماضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ خواتین نے جنرل نشستوں پر بطور امیدوار کاغذات نامزدگی جمع کرائے جن کی کل تعداد 455 رہی (قومی اسمبلی کے لئے 158 اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے 297) جو 2008 کے مقابلے میں ایک نمایاں اضافے کو ظاہر کرتی ہے جو اس وقت 280 تھی (قومی اسمبلی کے لئے 64 اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے 116)[1]۔ یہ اضافہ اگرچہ حوصلہ افزاء تھا لیکن اس سے صنفی خلاء پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا۔ جنرل نشستوں پر خواتین امیدواروں کے تناسب پر نظر دوڑائیں تو قومی اسمبلی میں یہ کل امیدواروں کا 3.4 فیصد اور صوبائی اسمبلیوں میں 2.7 فیصد رہا۔[2]

اب جبکہ پارلیمنٹ کی انتخابی اصلاحات کمیٹی انتخابی اصلاحات کا جائزہ لے رہی ہے تو یہی وقت مناسب لگتا ہے کہ ان مختلف عوامل کا جائزہ لیا جائے جو انتخابات میں خواتین کی بطور امیدوار اور ووٹر دونوں حیثیتوں میں بھرپور شمولیت کی راہ میں حائل ہیں اور کچھ سفارشات تجویز کی جائیں۔ ان میں سے بعض عوامل ادارہ جاتی ہیں جبکہ دیگر کا تعین سماجی اقدار اور رویئے کرتے ہیں۔ صنفی امتیاز کے وہ پہلو جنہوں نے ہمارے معاشرے کی اساس میں گھر کر رکھا ہے، انتخابی عمل پر بھی اپنا اثر دکھاتے ہیں اور تبدیلی جہاں بعید از قیاس والی بات نہیں ہے وہیں اس بات کو یقینی بنانے کے لئے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے کہ خواتین اپنا ووٹ دینے کا آئینی حق اپنی مرضی سے استعمال کر سکیں۔ بعض کلیدی عوامل ذیل میں دیئے گئے ہیں:

ناکافی اندراج: الیکشن کمیشن آف پاکستان کے مطابق رائے دہندگان کے اندراج میں صنف کے لحاظ سے تقریباً 11 ملین (2013) کا فرق پایا جاتا ہے اور کل اندراج یافتہ رائے دہندگان میں خواتین کا تناسب محض 43.6 فیصد ہے۔[3] فاٹا میں 34.4 فیصد کے ساتھ اندراج یافتہ خواتین رائے دہندگان کا تناسب سب سے کم ہے جبکہ اسلام آباد میں یہ سب سے بلند یعنی 46 فیصد ہے۔ بطور ووٹر اندراج کے لئے قومی شناختی کارڈ کا ہونا ضروری ہے اور 76 فیصد خواتین جہاں نادرا میں اندراج یافتہ ہیں وہیں انتخابی فہرستوں میں ان کی تعداد خاصی کم ہے۔ اندراج کی اس کم سطح کو اس بات سے منسوب کیا جاتا ہے کہ مرد، خواتین کے اندراج میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے اور خواتین انتخابی نظام کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتیں۔ خواتین کی محدود نقل و حرکت اور تعلیم کی کمی اس میں اپنا کردار ادا کرنے والے اضافی عوامل ہیں۔

سیاسی پارٹیوں کے فیصلہ سازی کے ڈھانچوں سے اخراج: بیشتر سیاسی جماعتوں میں قائدانہ عہدوں پر بہت کم خواتین فائز ہیں جس کی ایک مثال یہ ہے کہ سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹیوں میں ان کا تناسب 5 فیصد سے بھی کم ہے اور عام طور پر وہ خواتین ونگ تک ہی محدود رہتی ہیں۔ یوں وہ اس پوزیشن میں نہیں ہوتیں کہ پارٹی ٹکٹ دینے کے فیصلوں یا ووٹ دینے پر پابندی کے معاہدوں پر اثر انداز ہو سکیں۔

خواتین ووٹ نہیں دے پاتیں: نقل و حرکت میں حائل رکاوٹوں کا مطلب یہ ہے کہ خواتین کو پولنگ سٹیشن جانے کے لئے گھر کے مردوں سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ نتیجتاً بہت سی ایسی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں کہ 2008 اور 2013 کے انتخابات میں خواتین حق رائے دہی سے محروم رہ گئیں۔ 2013 میں ایسے 15 واقعات سامنے آئے جن میں مقامی عمائدین، سیاسی پارٹیوں اور غیر ریاستی کرداروں کے درمیان مفاہمت کے نتیجے میں خواتین کے ووٹ دینے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ خواتین کے ووٹ دینے پر پابندیوں سے متعلق بیشتر واقعات کی اطلاعات خیبر پختونخواء کے دور افتادہ علاقوں سے سامنے آئیں۔

عمر رسیدہ خواتین اور معذور خواتین کو بھی اس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ پولنگ بوتھ غیر موزوں مقام پر واقع ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ووٹ دینے کے لئے وہاں پہنچ نہیں پاتیں۔

سکیورٹی کے مسائل: سکیورٹی خطرات جہاں سب کے لئے تشویش کا باعث ہوتے ہیں وہیں خواتین رائے دہندگان اور امیدواروں کے لئے ان کی صنف کی بناء پر یہ زیادہ خطرے کا باعث بن جاتے ہیں جیسا کہ بلوچستان میں دیکھنے میں آیا جہاں فیلڈ ورکروں کو دھمکیوں کے باعث خواتین ووٹ دینے کے لئے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ خواتین امیدواروں نے بھی انتخابی مہم کے دوران سکیورٹی خدشات اور ہراساں کرنے کے واقعات کی شکایات کیں۔ سندھ کی ایک خاتون اقلیتی امیدوار نے بتایا کہ ان کی انتخابی مہم کے قافلے پر چار بار حملے کئے گئے۔ ایک اور خاتون نے بتایا کہ ان کے حریف امیدوار نے ان کے اہل خانہ کو دھمکیاں دیں۔ یہاں تک بڑی قائدین مثلاً سابق سپیکر قومی اسمبلی بھی اس ڈراؤ دھمکاؤ سے محفوظ نہیں رہیں۔ لوئر دیر کی واحد خاتون امیدوار نے نیشنل کمیشن آن دی سٹیٹس آف ویمن (این سی ایس ڈبلیو) کے دورے کے دوران بتایا کہ ان کا واسطہ بھی اس طرح کے سلوک سے پڑا۔ یہ خواتین اگر غریب ہوں اور ان کا تعلق معاشرے کے محروم طبقات سے ہو تو ان کی پر خطر حیثیت مزید بگڑ جاتی ہے۔

دیگر عوامل: خواتین کی بھرپور شمولیت میں رکاوٹ بننے والے دیگر عوامل میں انتخابی مہم کے لئے دستیاب فنڈز کی کمی شامل ہے اور گزشتہ انتخابات میں خواتین امیدواروں کی اکثریت میڈیا کی اشتہاری مہموں پر سرمایہ نہ لگا پائیں۔ خواتین کی کم شرح خواندگی اور پست تعلیمی سطح کے علاوہ ٹی وی یا ریڈیو تک ان کی محدود رسائی کے باعث معلومات واطلاعات تک ان کی رسائی محدود ہے۔

References:
1. Pakistan, Election Commission of Pakistan, *Post-Election review report 2013*. Available from http://ecp.gov.pk/post%20election%20review%20report.pdf
2. Pakistan, Election Commission of Pakistan, *Post-Election review report 2013*. Available from http://ecp.gov.pk/post%20election%20review%20report.pdf
3. "Pakistan elections 2013 total voter turnout: 55%", *The Express Tribune* 21 May 2013. Available from http://tribune.com.pk/story/552368/pakistan-elections-2013-total-voter-turnout-55/.

صنفی خلاء کا ازالہ

میدان سیاست میں قدم رکھنا خواتین کے لئے ایک کٹھن کام ہے کیونکہ کچھ عرصہ پہلے تک تو بالعموم صرف ان کا ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہی ان سے رابطہ کیا جاتا تھا۔ سیاسی منظرنامے میں ایک نمایاں تبدیلی اس وقت آئی جب 2002 میں ایک ٹھوس اقدام کے تحت خواتین کے لئے خاطر خواہ کوٹہ مختص کر دیا گیا۔ 2002 کے بعد سے سینیٹ، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین کا تناسب 17 سے 22 فیصد کے درمیان رہا ہے۔ اسمبلیوں کی صنفی ترکیب میں اس تبدیلی نے خواتین کے لئے ایسا سازگار ماحول پیدا کیا ہے جس میں وہ بحثوں اور فیصلہ سازی کے عمل میں حصہ لے سکتی ہیں اور اس میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ خواتین کے تحفظ پر قوانین تجویز کرنے اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

این سی ایس ڈبلیو نے انتخابات میں 23 انتخابی حلقوں کا مشاہدہ کیا اور انتخابات سے پہلے اور ان کے دوران انتخابی مبصر مشنوں سے رپورٹیں حاصل کرنے کے علاوہ فیلڈ سے بھی شکایات وصول کیں۔ اس نے انتخابی عمل میں خواتین کی شمولیت مستحکم اور بہتر بنانے کے لئے انتخابی اصلاحات پر سفارشات مرتب کیں۔

این سی ایس ڈبلیو کا خیال ہے کہ:

1
اسمبلیوں میں خواتین کی مخصوص نشستیں بڑھا کر 33 فیصد کی جائیں۔ اہلیت کے مطلوبہ معیار میں سماجی ترقی اور خواتین کے حقوق کے شعبوں میں پانچ سے دس سالہ تجربہ شامل ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں خواتین کی مخصوص نشستوں کے لئے انتخابی حلقے کی بنیاد پر براہ راست انتخابات کے نظام بھی وضع کئے جائیں۔

2
جنرل نشستوں پر انتخابات میں حصہ لینے کا آپشن برقرار رکھا جائے اور متعلقہ قوانین میں ترامیم کے ذریعے سیاسی پارٹیوں کے لئے ضروری قرار دیا جائے کہ وہ جنرل نشستوں کے 15 فیصد ٹکٹ خواتین کے لئے مخصوص کریں۔ اپنی ایک حالیہ قرارداد کے ذریعے قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر منظوری دے دی ہے کہ سیاسی پارٹیاں خواتین کے لئے 10 فیصد نشستیں اور جنرل کونسلوں میں 33 فیصد نشستیں مختص کریں۔ پارلیمانی کمیٹیوں میں بھی خواتین کی 33 فیصد نمائندگی لازمی قرار دی جائے۔

3
کم ازکم ایک معذور خاتون کے لئے نشست مخصوص ہونی چاہئے۔ اسی طرح اقلیتوں کے لئے خواتین کا کوٹہ بڑھا کر اقلیتی کوٹہ کا 33 فیصد کیا جائے۔

4
کمیونٹیز، سیاسی پارٹیوں یا غیر ریاستی کرداروں کی طرف سے خواتین کو ووٹ کا آئینی حق استعمال کرنے سے روک کر حق رائے دہی سے محروم کرنے کی روک تھام کے لئے خصوصی اقدامات وضع کئے جائیں۔ ایسے پولنگ سٹیشن جہاں خواتین کے ووٹوں کا تناسب 10 فیصد سے کم ہو، کے نتائج کالعدم قرار دے دیئے جائیں۔

5
ایسے علاقوں میں الگ پولنگ سٹیشن قائم کئے جائیں جہاں مشترکہ سٹیشنوں کی وجہ سے خواتین ووٹ دینے کے لئے نہیں آتیں اور تمام پولنگ سٹیشنوں اور بوتھ پر تربیت یافتہ خواتین کو پولنگ عملے کے طور پر تعینات کیا جائے۔ معذور خواتین کے پولنگ بوتھ گراؤنڈ فلور پر بنائے جائیں اور انہیں وہاں تک پہنچنے کے لئے وہیل چیئر فراہم کی جائیں۔

6
نادرا کے اندراج پر خودکار نظام کے تحت انتخابی فہرست میں بھی اندراج ہو جانا چاہئے۔

بلاواسطہ اصلاحات: کیا خواتین کے لئے مخصوص نشستوں پر بلاواسطہ انتخاب ہونا چاہئے؟
پاکستان ان اولین ملکوں میں شامل ہے جہاں خواتین کے لئے مخصوص نشستوں کا نظام اپنایا گیا۔ پاکستان میں پہلی پانچ دہائیوں کے دوران قانون کے تحت خواتین کے لئے بہت کم تعداد میں نشستیں مخصوص تھیں جن میں اتار چڑھاؤ تو آتا رہا لیکن یہ 10 فیصد سے کبھی آگے نہیں بڑھیں۔ ابتدائی طور پر یہ مخصوص نشستیں بالواسطہ ووٹوں کے ذریعے اور پھر بعد میں پارٹی لسٹ کے ذریعے پر کی جاتی رہیں۔ کوٹہ کا یہ دور 1998 میں ختم ہوا جب کوٹہ غیر موثر ہو گئے اور منتخب خواتین کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ اس کی جگہ جو نظام لایا گیا اور جو ابھی تک رائج ہے، وہ قومی انتخابات میں مختلف پارٹیوں کی طرف سے حاصل کی جانے والی نشستوں کے متناسب خواتین کے بالواسطہ انتخاب کے لئے پارلیمانی نشستیں مخصوص کرتا ہے۔ بہت کم خواتین غیر مخصوص نشستوں پر انتخاب میں حصہ لیتی ہیں یا منتخب ہوتی ہیں البتہ ہر انتخاب میں ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

ملک بھر میں انتخابات کے متعلقہ فریقوں کے ساتھ مشاورتی عمل کے دوران اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کو یہ نشستیں پر کرنے کے طریقے میں اصلاحات پر متفقہ مطالبات سننے کو ملے۔ متعلقہ فریقوں نے سیاست میں صنفی مساوات کے فروغ اور خواتین نمائندوں کی جائز قانونی حیثیت بہتر بنانے میں بالواسطہ انتخابات کی افادیت پر حرف گیری کی۔

خواتین کو بااختیار بنانے پر حالیہ تحقیق میں چار بڑے آپشن سامنے آئے ہیں جو دیگر ملکوں میں استعمال ہو چکے ہیں اور جو پاکستان کے انتخابی نظام کے لئے بھی موزوں ہیں۔ یہ نظام بلاواسطہ انتخاب یا بیلٹ پیپر کے ذریعے خواتین کی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر نظام کے منفرد فائدے اور مضمرات ہیں اور ان میں سے کوئی بھی 'جائز قانونی حیثیت کے خلا' کو دور کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔

جدول 1: مخصوص نشستوں کے نظام کی اصلاح کے لئے آپشن[1]

1. نامزدگی کوٹہ	2. سپر انتخابی حلقے	3. باری باری کی بنیاد پر انتخابی حلقے	4. متبادل حد
ایک خاص فیصد تناسب میں خواتین امیدواروں کی شرط کی پاسداری نہ کرنے کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں	صرف خواتین کے لئے مخصوص انتخابی حلقے۔ ہر ووٹر دو ووٹ ڈالے گا۔	جنرل انتخابی حلقے باری باری کی بنیاد پر عارضی طور پر خواتین کے لئے مخصوص کر دیئے جاتے ہیں	مخصوص نشستیں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والی خواتین امیدواروں کے ذریعے پر کی جاتی ہیں
بیلٹ میں خواتین کی موجودگی یقینی ہوتی ہے	خواتین کا بلاواسطہ انتخاب یقینی ہوتا ہے	خواتین کا بلاواسطہ انتخاب یقینی ہوتا ہے	خواتین کا بلاواسطہ انتخاب یقینی ہوتا ہے
بولیویا، فرانس، میکسیکو، منگولیا، نیپال، جمہوریہ کوریا، سینیگال، ازبکستان	اریٹریا، کینیا، یوگنڈا	بھارت (بلدیاتی ادارے)	اردن، سموا

[1]Excerpted from G.Bardall and S.Christensen, *Gender Quotas in Single-Member District Electoral Systems*, RSCAS 2014/104 / Robert Schuman Centre for Advanced Studies

انتخابات 2013 میں خواتین

خواتین رائے دہندگان

خیبر پختونخواء	فاٹا	پنجاب	سندھ	بلوچستان	اسلام آباد
5,257,624	596,079	21,561,633	8,472,744	1,421,271	2,88,064
اندراج یافتہ رائے دہندگان	اندراج یافتہ رائے دہندگان	اندراج یافتہ رائے دہندگان	اندراج یافتہ رائے دہندگان	اندراج یافتہ رائے دہندگان	اندراج یافتہ رائے دہندگان
ٹرن آؤٹ 32 فیصد	ٹرن آؤٹ 12 فیصد	ٹرن آؤٹ 56 فیصد	ٹرن آؤٹ 46 فیصد	ٹرن آؤٹ 33 فیصد	ٹرن آؤٹ 59 فیصد

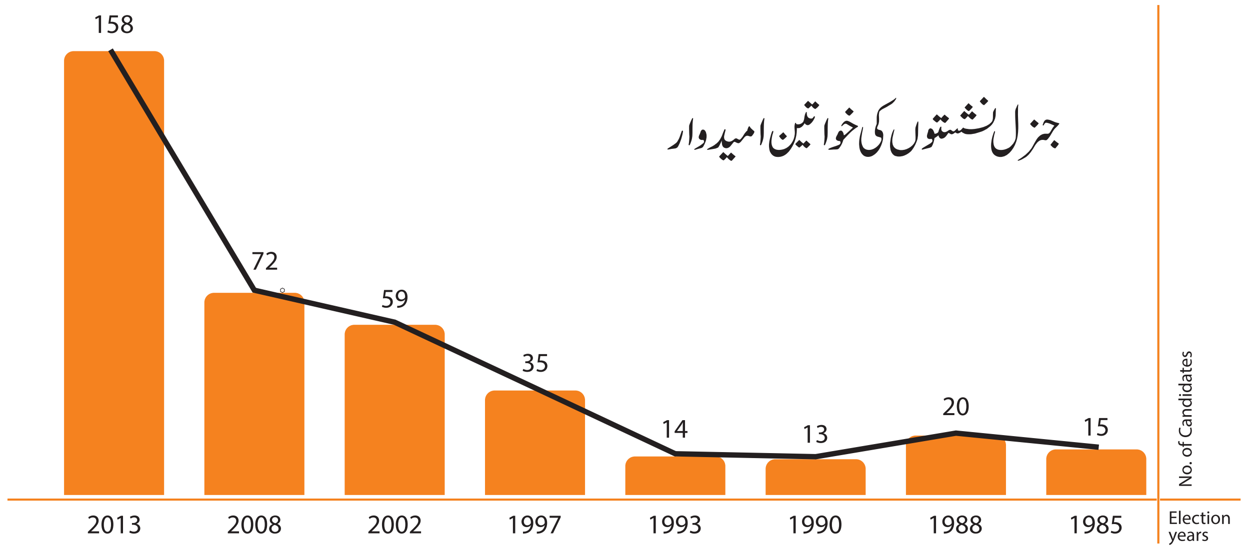

بلدیاتی انتخابات میں مخصوص نشستیں

پنجاب
ہر سطح پر خواتین کے لئے نشستیں مخصوص ہیں لیکن تناسب ڈرامائی حد تک مختلف ہے۔ فیصد تناسب کے اعتبار ہر یونین کونسل میں زیادہ سے زیادہ 15 فیصد نشسوں سے لے کر بڑے اداروں میں 4 فیصد تک ہے جن میں لاہور اور فیصل آباد کی کارپوریشنیں شامل ہیں

بلوچستان
تمام بلدیاتی اداروں میں تقریباً 28 فیصد نشستیں خواتین کے لئے مخصوص ہیں لیکن مختلف تحفظات کی بناء پر یہ تناسب مختلف ہے

خیبر پختونخواء
تمام بلدیاتی اداروں میں 22-13 فیصد نشستیں خواتین کے لئے مخصوص ہیں

سندھ
خواتین کے لئے مخصوص نشستوں میں ہر یونین کونسل / کمیٹی کی 11 فیصد اور دیگر اداروں کی 22 فیصد نشستیں شامل ہیں

©یو این ڈی پی پاکستان

لکیریں کون کھینچتا ہے؟

مقامی حکومت کے انتخابات میں اصلاحات

آئین میں اٹھارہویں ترمیم کی بدولت پہلی بار مقامی حکومت کو مکمل آئینی تحفظ مل گیا اور مقامی حکومتوں کے قیام کو یقینی بنانا صوبوں کی ذمہ داری بن گیا۔ ہر صوبے نے حکومت کی اس اہم ترین سطح کی تشکیل پر پیشرفت دکھائی ہے البتہ صرف بلوچستان نے تا حال مقامی حکومت کے انتخابات کرائے ہیں لیکن یہ عمل بھی ابھی مکمل ہونا باقی ہے۔

بہرحال مقامی حکومت کے انتخابات کی تیاریوں پر قابل ذکر پیشرفت ہوئی ہے۔ عدالتوں کے ذریعے ہونے والی اصلاحات نے کمیشن کی آزادی کو مستحکم کیا ہے اور الیکشن کمیشن آف پاکستان ان انتخابات کے کامیاب انعقاد کے لئے بنیادی کام کی تیاریاں کر رہا ہے۔

بلوچستان میں مقامی حکومت کے انتخابات کے ابتدائی مراحل 7 دسمبر 2013 کو ہی طے کر لئے گئے تھے لیکن ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور مخصوص نشستوں کی بعض کیٹیگریز پر انتخابات کا انعقاد ابھی ہونا باقی ہے۔ بلوچستان کو اس نوعیت کے مسائل کا بھی سامنا ہے کہ مالی اور انتظامی اختیارات نو منتخب حکومتوں کو کس طرح منتقل کئے جائیں اور بعض مبصرین شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ آیا انتظامی اور مالی اختیارات ان اداروں کو منتقل ہوں گے بھی یا نہیں۔

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ نے اپنے سابقہ شمارے میں ان قوانین پر ایک تفصیلی تجزیہ پیش کیا جو یہاں دوبارہ شائع نہیں کیا گیا۔ درمیانی مہینوں کے دوران اہم متنازعہ امور طے کئے جا چکے ہیں۔ اس سوال پر کہ آیا امیدوار انتخابات میں آزاد حیثیت میں حصہ لیں گے یا سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی حیثیت سے، طے یہ پایا ہے کہ سوائے خیبر پختونخواہ کی گاؤں اور محلّہ کونسلوں کے، سبھی انتخابات پارٹی بنیاد پر ہوں گے۔

خواتین کی نمائندگی کا شعبہ ایسا ہے جس میں اصلاحات ہونا باقی ہیں۔ بعض اداروں میں خواتین کے لئے مخصوص کی جانے والی نشستوں کا تناسب ماضی میں کم رہا ہے۔ مثال کے طور پر لاہور اور فیصل آباد کی میٹرو اور میونسپل کارپوریشنوں میں خواتین کی نشستیں 4 فیصد تک محدود کر دی گئی ہیں۔ یہ تعداد اس کم سے کم مقصد کو چنداں پورا نہیں کرتی جو ان نشستوں کے ذریعے حاصل کرنا مقصود ہے۔
تیسرا اور کٹھن مسئلہ انتخابی حلقوں کی حد بندی کا ہے۔ انتخابی حلقوں کی حد بندی ماضی میں قومی اور صوبائی انتخابات کے لئے الیکشن کمیشن اور بلدیاتی اداروں کے انتخابات کے لئے صوبائی حکومتیں کرتی رہی ہیں۔ بلوچستان، پنجاب اور سندھ کے مقامی حکومت کے قوانین نے اس صورتحال کو برقرار رکھا اور نتیجتاً صوبائی حکومتوں نے تفصیلی طور پر حلقہ بندی کر کے الیکشن کمیشن کو ارسال کر دی۔ بلوچستان میں یہ انتخابات حکومت کی طرف سے طے کی گئی حدود پر کرائے گئے ہیں۔ پنجاب اور سندھ کے معاملے میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے حلقہ بندی کو اس بناء پر کالعدم قرار دے دیا کہ انتخابی حلقوں کی حد بندیاں انتخابی عمل کا لازمی حصہ ہیں اور اس بناء پر الیکشن کمیشن کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔

عدالتی فیصلے کی روشنی میں صدر کے علاوہ پنجاب اور سندھ کے گورنر صاحبان نے آرڈیننس نافذ کر دیئے جن کے ذریعے الیکشن کمیشن کو متعلقہ وفاقی اور صوبائی قوانین میں ترامیم کے ذریعے مقامی حکومتوں کی حلقہ بندی کا اختیار دے دیا گیا۔ الیکشن کمیشن نے اس عمل کو آگے بڑھاتے ہوئے انتخابی حلقوں (قومی اور بلدیاتی اداروں) کی حد بندی کے لئے متعلقہ قوانین تیار کر لئے۔ اس طرح قوانین میں پایا جانے والا وہ خلا دور ہو گیا جو 1947 کے انتخابی حلقہ بندی قانون کی منظوری کے وقت سے چلا آ رہا تھا۔ کمیشن اس وقت مقامی انتخابی حلقوں کی حد بندی اور نئے قوانین اور بین الاقوامی معیارات کے مطابق شکایات و اعتراضات دور کرنے پر پنجاب اور سندھ کے ڈی ای سی اور آر ای سی صاحبان کو تربیت بھی دے رہا ہے۔

ان افسران کو ایک انتہائی افسوس ناک رکاوٹ یہ درپیش آ سکتی ہے کہ ان کے پاس مردم شماری کے تازہ ترین اعداد و شمار نہیں ہوں گے۔ موجودہ قوانین کے تحت انہیں انتخابی حلقوں کی حد بندی 1998 کے آبادی کے اعداد و شمار کے مطابق کرنا پڑے گی حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ اعداد و شمار شدید حد تک متروک ہیں۔ بعض حلقوں نے تجویز کیا ہے کہ انتخابی فہرستوں کا ڈیٹا، جو زیادہ اپ ٹو ڈیٹ ہے، مردم شماری کے اعداد و شمار کے متبادل کے طور پر استعمال کر لیا جائے۔ علاوہ ازیں، انتخابی فہرستیں قدرے ماضی قریب کے مردم شماری بلاکوں پر مبنی ہیں جو مکمل نہ ہو پائی۔ البتہ اس میں انتظامی لحاظ سے یہ مشکل پیدا ہو جائے گی کہ ہر ووٹر کو مینوئل طریقے سے پرانے مردم شماری بلاک میں ڈالنا پڑے گا۔

یہاں اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ ان آرڈیننسوں میں طے کی جانے والی اصل حلقہ بندی کا کام صوبائی حکومتوں اور الیکشن کمیشن کو مشترکہ طور پر دیا گیا تھا۔ صوبے ماسوائے یونین کونسلوں اور وارڈوں کے، تمام بلدیاتی اداروں کی حلقہ بندیاں کریں گے۔ یہ عمل ایک خاص منطق پر مبنی ہے اور قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی حلقہ بندیوں میں موافق ہے جس میں حکومت انتظامی علاقوں (صوبوں اور اضلاع) کا تعین کرتی ہے اور اس کے بعد الیکشن کمیشن ان حدود میں آنے والے انتخابی علاقوں کا تعین کرتا ہے۔

حالیہ قانونی پیشرفت سے خیبر پختونخواء کے لئے غیر یقینی والی صورتحال پیدا ہو گئی جہاں حلقہ بندی کا عمل محکمہ مقامی حکومت نے مکمل کر لیا تھا اور جسے سپریم کورٹ نے کالعدم قرار نہیں دیا تھا۔ سپریم کورٹ اس حلقہ بندی کو کالعدم قرار دے سکتی ہے اور اگر وہ ایسا نہیں بھی کرتی تو اس سے ایک غیر معمولی صورتحال پیدا ہو جائے گی جس میں وفاقی قوانین حلقہ بندی کو ایک وفاقی شعبے کے طور پر پیش کریں گے اور صوبائی قانون اسے صوبائی معاملے کے طور پر ہی برقرار رکھیں گے۔

تاریخی اعتبار سے مقامی حکومت کی حلقہ بندی چونکہ صوبائی حکومتوں کے دائرہ کار میں رہی ہے اس لئے بعض حلقے اسے دوبارہ مرکزیت کی طرف لوٹنے کے عمل کے طور پر دیکھتے ہیں حالانکہ یہ بجا طور پر صوبائی شعبہ ہونا چاہئے۔ حلقہ بندی کے لئے آزاد کمیشن بین الاقوامی سطح پر ایک معیار کی حیثیت حاصل کر رہے ہیں اور صوبائی حکومت کی طرف سے کی گئی حلقہ بندی فطری طور پر جوڑ توڑ اور دھاندلی کے مواقع پیدا کرتی ہے۔ بلدیاتی اداروں کی حلقہ بندی کا معاملہ صوبوں کے پاس ہی رہنا چاہئے لیکن اسے سیاسی اثر و رسوخ سے آزاد بنانے کے لئے اس میں اصلاح یہ کی جائے کہ صوبائی سطح پر انتخابی حلقہ بندی کمیشن تشکیل دے دیئے جائیں۔

مشکلات سے قطع نظر مقامی حکومت کے انتخابات کا عمل آگے بڑھ سکتا ہے اور اسے بڑھنا چاہئے۔ ہر مسئلے پر قابو پانے کے لئے معقول طریقے موجود ہیں اور الیکشن کمیشن اور صوبائی حکومتوں اس کے لئے ہر قسم کی استعداد سے لیس ہیں۔ بہتر یہی لگتا ہے کہ حکومت کی اس اہم ترین سطح کو طاق نسیاں کی نذر نہ ہونے دیا جائے۔

©یواین ڈی پی پاکستان

ماریہ سومرو

آج کی سیاسی بحث خاصے مختلف معانی رکھتی ہے کیونکہ زیادہ لوگ اپنے دل کی بات کر رہے ہیں اور زیادہ لوگوں کی بات سنی جارہی ہے۔ انٹرنیٹ سے پہلے کے دور میں آپ کو اپنی آراء شائع کرانے کے لئے کسی اخبار میں کوئی کالم لکھنا پڑتا تھا یا ایڈیٹر کے نام خط بھیجنا پڑتا تھا۔ آج کوئی بھی شخص اپنی بحث چھیڑ سکتا ہے، سوشل نیٹ ورکنگ کی کسی ویب سائٹ پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتا ہے یا کسی فورم میں شریک ہوسکتا ہے اور ان سب طریقوں سے وہ اپنی بات کہیں زیادہ لوگوں تک پہنچا سکتا ہے۔

شاد بیگم

خواتین ووٹرز کے اندراج کے لئے ایک خصوصی تربیتی پروگرام کا آغاز کیا جائے۔ جونہی ان کا قومی شناختی کارڈ بنے نادرا تمام خواتین ووٹرز کے لئے براہ راست اقدام کرتے ہوئے تمام خواتین کو بطور ووٹر اندراج کرے۔

اسماء فیض

تمام قانون ساز اور فیصلہ ساز اداروں میں نمائندگی کے اعتبار سے خواتین انتہائی محرومی کا شکار ہیں۔ اس کے علاوہ پالیسی سازی کے بہت کم اقدامات ایسے ہیں جو خواتین سے متعلق ہیں۔ خواتین کی سماجی، معاشی اور سیاسی حیثیت مجموعی طور پر بہتر بنانے سے خواتین کی ووٹ دینے کی شرح بڑھانے پر خاصا اثر پڑے گا۔

مہتاب زرین

انتخابی مہم کے عمل اور طریقوں کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ بہت زیادہ اشتہارات میں کمی لائی جائے اور رائے دہندگان کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے ذاتی میل جول اور ملاقاتوں کو بہتر بنایا جائے اور لوگوں کو اپنے امیدواروں تک براہ راست رسائی فراہم کی جائے۔

کشور خان

انتخابی عمل کی اصلاح ممکن ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ انتخابی عمل میں خواتین کی بہتر شمولیت یقینی بنائی جائے، خواتین کا بطور ووٹر موزوں اندراج کیا جائے، ان کے لئے سکیورٹی اقدامات بہتر بنائے جائیں اور انہیں ٹرانسپورٹ کے سلسلے میں معاونت فراہم کی جائے۔

رخشندہ ناز

خواتین کے لئے مخصوص نشستوں کا موجودہ نظام جغرافیائی لحاظ سے پورے ملک کا احاطہ نہیں کرتا اور خواتین عام طور پر پارٹیوں کے سرکردہ افراد کی نامزدگیوں کی بنیاد پر اسمبلیوں میں داخل ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جغرافیائی رکاوٹوں کے باعث تقریباً 70 فیصد خواتین اپنے رائے دہندگان سے میل جول نہیں کر پاتیں اور یوں وہ اپنی کمیونٹی سے بالکل کٹ کر رہ جاتی ہیں۔

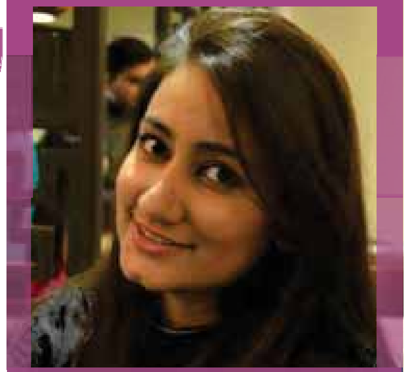
زویا اشرف

خواتین ووٹرز کی سہولت کے لئے دیہی علاقوں میں پولنگ سٹیشن ایسے مقامات پر قائم کئے جائیں جو ان کے گھروں سے زیادہ دور نہ ہوں۔ ووٹوں کا اندراج ٹھیک طریقے سے کیا جائے اور خواتین کو سمجھایا جائے کہ ان کے ووٹ کی اور ووٹ دینے کی اہمیت کیا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کو چاہئے کہ دیہی علاقوں میں وہ کسی ممتاز خاتون کو نامزد کریں جو دیگر خواتین کی ووٹ دینے پر حوصلہ افزائی کریں۔

فائزہ میر

الیکشن کمیشن میں ایک میڈیا سیل قائم کیا جائے جو پورا سال عام لوگوں کو انتخابی عمل کی اہمیت کے بارے میں معلومات فراہم کرے، ان کی تربیت کرے اور انہیں ترغیب دے۔ ''انتخابی آگاہی پر میڈیا کی ذمہ داریاں'' کے عنوان سے ایک باقاعدہ قانون نافذ کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بات لازم قرار دی جائے کہ تمام متعلقہ فریقوں کو برابر ایئر ٹائم دیا جائے گا۔

کیا ٹیکنالوجی کا استعمال انتخابی عمل میں بہتری لا سکتا ہے؟

ٹیکنالوجی کی بدولت ہماری زندگی کے کئی شعبوں میں انقلاب برپا ہو چکے ہیں اور سیاست ہو یا انتخابات، یہ شعبے بھی اس کے ثمرات سے یقیناً مستفید ہوئے ہیں۔ برقی آلات چونکہ قدرے کم خرچ، زیادہ اثر انگیز اور بہتر انداز میں ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں اس لئے رائے دہندگان کے اندراج سے لے کر انتخابی فہرستوں تک انتخابی عمل کے مختلف شعبوں میں لاتعداد ٹیکنالوجیز کا استعمال کیا جا چکا ہے۔

متعلقہ فریقوں کے بعض حلقے سمجھتے ہیں کہ انتخابی ٹیکنالوجیز انتخابی مسائل پر قابو پانے کے لئے 'جادوئی چھڑی' کا کام دے سکتی ہیں جبکہ کچھ حلقوں کے نزدیک یہ اصل مقصد سے ہٹنے کے مترادف ہے۔ مختلف آلات، ویب سائٹس اور سوشل میڈیا کا استعمال رائے دہندگان اور کسی عہدے کے امیدوار دونوں کے لئے ایک منفرد کشش رکھتا ہے۔ کمپیوٹر کو رشوت نہیں دی جا سکتی، بائیومیٹرک ڈیٹا اپنی جگہ معروضی دکھائی دیتا ہے جبکہ سپریڈ شیٹس کے ذریعے سادہ حساب کتاب میں غلطیوں کو تقریباً صفر تک لایا جا سکتا ہے۔

کئی ممالک نے اپنے انتخابی عمل کے مختلف پہلوؤں کو کمپیوٹرائزڈ کر لیا ہے جبکہ مزید لاتعداد ممالک اس پر غور کر رہے ہیں۔ بہر حال یہ بات شاید آپ کے لئے حیرت کا باعث ہو کہ خاصی محدود تعداد میں ممالک ایسے ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں اپنے انتخابی عمل کو مکمل طور پر کمپیوٹرائزڈ کر لیا ہے۔ جدول 1 میں چار اہم انتخابی ٹیکنالوجیز کو اجاگر کیا گیا ہے جو انتخابی عمل میں استعمال کی جاتی ہیں۔

حاصل کیا جا سکتا ہے۔ الیکشن کمیشن نے پہلی بار 2013 کے عام انتخابات میں انتخابی حلقے کی سطح پر نتائج کی تیاری کے عمل کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کا آغاز کیا البتہ اسے تمام انتخابی حلقوں میں استعمال نہیں کیا گیا۔ کمیشن اپنے موجودہ سٹریٹجک پلان کے تحت آئندہ انتخابات میں اس نظام کو تمام انتخابی حلقوں میں استعمال کرنے کے لئے پر عزم ہے۔ اس شعبے میں کلیدی اصلاحات یہ ہو سکتی ہیں کہ تفصیلی نتائج آن لائن فراہم کر دیئے جائیں تا کہ متعلقہ فریق پولنگ سٹیشن سے گزٹ تک نتائج کے اعداد و شمار کے ہر مرحلے پر نظر رکھ سکیں۔

الیکٹرانک ووٹنگ اینڈ کاؤنٹنگ ٹیکنالوجیز (ای وی ایم) قدرے کم استعمال میں دکھائی دیتی ہیں لیکن دنیا بھر کے درجن ملکوں میں بروئے کار لائی جا رہی ہیں جہاں زیادہ تر انہیں کمپیوٹرائزڈ رزلٹ مینجمنٹ سسٹم کے ساتھ ضم کر دیا گیا ہے۔ ای وی ایم کی بدولت خراب شدہ بیلٹ پیپر کم یا ختم کرنے میں مدد ملتی ہے لیکن اس سے بیلٹ پیپر کی دیانتداری اور پوشیدہ حیثیت سمجھوتے کا شکار ہو سکتی ہے۔

برقی طریقے سے رائے دہندہ کی شناخت (ای وی آئی ڈی) ایک حالیہ پیشرفت ہے جو فی الوقت صرف تین ممالک میں استعمال کی گئی ہے۔ خیبر پختونخواہ حکومت نے مقامی حکومت کے آئندہ انتخابات میں آزمائشی بنیاد پر ای وی آئی ڈی کے استعمال کا عزم ظاہر کیا ہے۔ برقی طریقے سے رائے دہندہ کی تصدیق سے جہاں کسی دوسرے شخص کی جگہ ووٹ دینے کے واقعات میں کمی لائی جا سکتی ہے وہیں کئی رائے دہندگان کی

CNIC کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ بائیومیٹرک انتخابی فہرستیں (Biometric Electoral Rolls)	EVID برقی طریقے سے رائے دہندہ کی شناخت (Electronic Voter Identification) (پولنگ سٹیشنوں پر انگوٹھے کے نشان سکین کر لئے جاتے ہیں)	EVM الیکٹرانک ووٹنگ مشینیں (Electronic Voting Machines)	RMS رزلٹ مینجمنٹ سسٹم (Result Management System)
انتخابی فہرستیں اور بائیومیٹرک ڈیٹا مختلف ڈیٹا بیس میں موجود ہوتا ہے (نادرا، کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ)	ووٹرز سے کہا جاتا ہے کہ وہ پولنگ سٹیشن پر ووٹ دینے سے پہلے اپنے انگوٹھے کے نشان سکین کرائیں	کمپیوٹرائزڈ طریقے سے ووٹ دینا اور گنتی کرنا	نتائج کی تیاری کا کمپیوٹرائزڈ نظام
دہرے اندراج میں کمی لائی جا سکتی ہے۔	ایک سے زیادہ ووٹ دینے اور کسی دوسرے شخص کی جگہ ووٹ دینے کے واقعات کی روک تھام کی جا سکتی ہے	غیر موثر قرار پانے والے بیلٹ پیپرز میں کمی لائی جا سکتی ہے اور دیانتدارانہ انداز میں گنتی کو بہتر بنایا جا سکتا ہے	زیادہ درست اور شفاف نتائج مہیا کئے جا سکتے ہیں
مثالیں	مثالیں	مثالیں	مثالیں
پاکستان، گھانا، ڈیموکریٹک ریپبلک آف کانگو	گھانا، کینیا، وینزویلا	بھارت، برازیل، وینزویلا، فلپائن، امریکہ	پاکستان (جزوی طور پر)، برازیل، وینزویلا، فلپائن، امریکہ، کینیا، زمبیا

جدول 1: اہم انتخابی ٹیکنالوجیز[1]

ہر ملک اپنی سہولت کے مطابق ان میں سے بعض یا تمام ٹیکنالوجیز کو استعمال کر سکتا ہے۔ پاکستان میں نادرا کا بائیومیٹرک ڈیٹا بیس انتخابی فہرستوں کے لئے بنیادی مواد کا کام دیتا ہے۔ نادرا اور الیکشن کمیشن نے اس ٹیکنالوجی کو عمدہ طریقے سے بروئے کار لاتے ہوئے دہرے اندراج کا پتہ لگایا ہے اور یوں انتخابی فہرستوں کی قابل اعتبار حیثیت کو بہتر بنایا گیا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی کا فعال اور عملی استعمال ہے جسے انتخابی فہرستوں میں صنفی خلاء کو دور کرنے کے لئے بھی استعمال میں لایا جانا چاہئے اور یہ ووٹ دینے کی عمر کو پہنچنے والے مزید لوگوں کی پہنچ میں ہونا چاہئے۔

دوسری جانب دیکھا جائے تو پاکستان نے رزلٹ مینجمنٹ سسٹم (آر ایم ایس) جیسی ٹیکنالوجی کو بھی بروئے کار لانے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ آر ایم ایس کے ذریعے لاتعداد کمپیوٹرز کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جاتا ہے جس کی بدولت ریٹرننگ افسران سے صوبائی مراکز اور مرکزی دفاتر تک نتائج کی ترتیب اور ترسیل کا کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ سادہ سی ٹیکنالوجی اس قدر کارآمد ہے کہ اس کے ذریعے نتائج کی تیاری کے عمل میں غلطیوں کو ڈرامائی حد تک کم کیا جا سکتا ہے اور انتخابی عمل کی شفاف حیثیت کو بہتر بنا کر متعلقہ فریقوں کا بھرپور اعتماد

تصدیق انگوٹھے کے ایسے نشان نہ ہونے کے باعث نہیں ہو پاتی جن کی جانچ مشین کر سکے۔ مزدور پیشہ اور عمر رسیدہ افراد کے انگوٹھے کے نشانات اکثر اتنے واضح نہیں ہوتے کہ انہیں مشین کے لئے استعمال کیا جا سکے۔ معاون کے طور پر کاغذ والی روایتی انتخابی فہرستوں کے استعمال کی سفارش کی جاتی ہے چونکہ عین ممکن ہوتا ہے کہ مشینیں رائے دہندگان کی ایک بڑی تعداد کی تصدیق نہ کر پائیں۔

ممالک اپنی سہولت کے مطابق ان میں سے بعض یا سبھی ٹیکنالوجیز کا استعمال کرتے ہیں۔ بعض ملکوں نے ایک طرف ای وی ایم کو اپنا لیا ہے اور دوسری جانب روایتی انتخابی فہرستیں بھی برقرار رکھی ہوئی ہیں۔ کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں ای وی آئی ڈی متعارف کرائے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ کاغذ والے بیلٹ پیپر بھی استعمال کئے جا رہے ہیں (کینیا، گھانا)۔ صرف وینزویلا ای وی آئی ڈی، ای وی ایم اور آر ایم ایس کو باہم مربوط شکل میں استعمال کر رہا ہے۔

ٹیکنالوجی انتخابی عمل کی شفاف حیثیت پر کس طرح اثر دکھاتی ہے؟

شفاف حیثیت انتخابات کے اہم ترین بین الاقوامی مروجہ معیارات اور پاکستان میں متعلقہ فریقوں کے کلیدی مطالبات میں سے ایک ہے۔
انتخابی عمل پر اعتماد کی کمی پر قابو پانے کا واحد راستہ اکثر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ شفاف بنایا جائے۔ ٹیکنالوجی کو اپنا کر انتخابی عمل کی شفاف حیثیت پر گہرے اثرات مرتب کئے جا سکتے ہیں جن کا خلاصہ جدول 2 میں پیش کیا گیا ہے۔

جدول 2: شفاف حیثیت اور ٹیکنالوجی ہمیشہ ساتھ ساتھ نہیں چلتے[2]

جیسے جیسے برقی آلات قدرے کم خرچ، زیادہ پر اثر اور زیادہ محفوظ ہو رہے ہیں ووٹ دینے کے کم خرچ برقی طریقے جو متعلقہ فریقوں کی ضروریات پر پورا اترتے ہیں، ایک روزمرہ حقیقت کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ کئی ماہرین کے خیال میں سوال اگر مگر کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ کب۔ ٹیکنالوجی کے میدان میں پیشرفت کے باوجود یہ کوئی ایسی 'جادوئی چھڑی' نہیں جو پل بھر میں انتخابی مسائل کو حل کر دے۔ عملی ٹیکنالوجی، مثلاً رزلٹ مینجمنٹ سسٹم اور کمپیوٹرائزڈ انتخابی فہرستیں شفاف حیثیت اور دیانتداری کو فروغ دینے کے اہم ترین طریقے ہیں۔ دنیا بھر کے تجربات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پولنگ سٹیشنوں پر زیادہ ٹیکنالوجی کے استعمال کی راہ اپنانے میں احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے انتخابی عمل پر اعتماد کی کمی یا ناقص مینجمنٹ جیسے مسائل پر قابو پایا جا سکے۔ اصلاحات میں اس بات پر بھی محتاط طریقے سے غور کیا جانا چاہئے کہ آیا انتخابی ٹیکنالوجی ان مسائل کا ازالہ کرتی ہے جنہیں پاکستان کے انتخابی عمل میں دور کرنا ضروری ہے۔

آخر میں یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ ٹیکنالوجی پر پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے۔ حالیہ مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ای وی آئی ڈی سسٹم پر فی ووٹر 700 سے 800 روپے تک خرچ آ سکتا ہے۔ اس پر یہ سوچنا بھی دانشمندی ہو سکتا ہے کہ کیوں نہ یہی رقم ٹیکنالوجی پر خرچ کرنے کے بجائے زیادہ یا بہتر انتخابی عملے کی بھرتی پر خرچ کر دی جائے۔

ہائی کمشنر آسٹریلیا کے تاثرات

پاکستان میں آسٹریلیا کے ہائی کمشنر عزت مآب پیٹر ہے وارڈ پچھلے دنوں اسلام آباد میں اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کے زیر اہتمام ٹیکنالوجی اور جمہوریت کا استحکام پر منعقد کی گئی کانفرنس میں مہمان مقرر کے طور پر شریک ہوئے۔ اس تقریب کی بدولت پاکستان میں جمہوری عمل کے کئی اہم کرداروں کو بین الاقوامی ماہرین اور پاکستان کے تیزی سے ترقی کرتے ہوئے ٹیکنالوجی کے شعبے کے نمائندوں کے ساتھ جمہوریت کے استحکام میں ٹیکنالوجی کے کردار پر تبادلہ خیالات کا موقع ملا۔

آسٹریلوی حکومت نے 'سپورٹ فار دی الیکشن کمیشن آف پاکستان پروگرام' کے لئے 2013-14 میں 7 ملین آسٹریلوی ڈالر فراہم کئے ہیں۔ اس پروگرام پر اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ عملدرآمد کر رہا ہے۔

اپنی تقریر کے دوران ہائی کمشنر نے آسٹریلیا کی جمہوری اقدار پر اظہار خیال کیا جنہیں منتخب نمائندوں اور عوامی عہدیداروں کی ذمہ داریوں اور جمہوری احتساب سے متعلق عمل میں اہم آزادیوں اور انفرادی حقوق میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ہائی کمشنر نے کہا کہ جدید ٹیکنالوجی افراد کی طرف سے اپنے حقوق سے استفادہ اور قانون کی حکمرانی دونوں کو مستحکم بنا سکتی ہے۔ ہائی کمشنر نے گزشتہ سال پاکستان کے عام انتخابات میں ٹیکنالوجی کے استعمال کا بھی ذکر کیا جس نے الیکشن کمیشن کی طرف سے ووٹوں کے گوشوارے تیار کرنے اور ایس ایم ایس اور سوشل میڈیا کے ذریعے سیاسی کرداروں کی جانب سے رائے دہندگان بالخصوص خواتین اور نوجوانوں کو فعال بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ٹیکنالوجی نے رائے دہندگان کے 55 فیصد ٹرن آؤٹ میں بھی اپنا کردار ادا کیا جو 1980 کی دہائی سے اب تک کسی بھی انتخاب میں سب سے بلند رہا ہے۔ ہائی کمشنر نے کہا کہ سوشل میڈیا نے شہریوں کو جمہوری عمل میں حصہ لینے کے نئے مواقع فراہم کر دیئے ہیں اور اس کی دوطرفہ نوعیت کی بدولت ثالثی اور معاونت پر مبنی ابلاغ کے بہتر مواقع پیدا ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ٹیکنالوجی جہاں ایک شاندار معاون کا کردار ادا کرتی ہے وہیں یہ محض اپنے بل بوتے پر نہیں چل سکتی۔ ٹیکنالوجی بھلے اثر انگیز ہے لیکن یہ جمہوری عمل کا ایک کردار ہرگز نہیں ہے کیونکہ مثبت تبدیلی کے لئے ٹیکنالوجی کے استعمال میں لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

References:
1. United Nations Development Programme (2014), *EVMs, Biometrics, and Results: Can technology deliver better elections? (2014)*. Pakistan
2. United Nations Development Programme (2014), *EVMs, Biometrics, and Results: Can technology deliver better elections? (2014)*. Pakistan

مشتاق احمد

سیاسی جماعتیں اس بات کی پابند ہوں کہ وہ جمہوری اصولوں کی پاسداری کریں جس کے لئے وہ اپنی پارٹی کے داخلی انتخابات کرائیں تا کہ نچلی سطح سے لوگوں کو اوپر آنے کا موقع مل سکے۔

فواد عالم

آج کے نوجوان کل کے لیڈر ہیں اور جمہوریت اسی صورت پھل پھول سکتی ہے کہ جمہوری نظام میں نوجوانوں کو شامل کیا جائے۔ پاکستان تحریک انصاف کے حالیہ مظاہروں سے نواجوان انتخابی عمل میں اپنا کردار ادا کرنے اور اس میں زیادہ بہتر طریقے سے حصہ لینے کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

سحر عباس

کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ آیا نوجوان انتخابی اصلاحات کی خاطر کوئی جدوجہد کرنا بھی چاہتے ہیں۔ پاکستان میں حالیہ سیاسی دھرنے تو اس بات کی علامت نہیں کہ نوجوان ملک میں کوئی انتخابی اصلاحات دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ تو صرف یہی چاہتے ہیں کہ ان کی پسند کا امیدوار جیت جائے۔

ڈاکٹر سعد دھمرہ

ایسے امیدوار جو کسی تین انتخابی حلقوں میں انتخاب میں حصہ لینے کے لئے نا اہل ہوتے ہیں وہ کسی چوتھے حلقے سے انتخاب میں حصہ لینے کے اہل بن جاتے ہیں۔ اس طرح کی بدعنوانیوں کا سلسلہ بند ہونا چاہئے۔ نوجوان محض ایک شفاف پارلیمنٹ چاہتے ہیں۔

بایزید کاسی

انتخابی مہم پر لگائے جانے والے سرمایہ پر کوئی پابندی نہ ہونے کے باعث کسی خوبی خامی سے قطع نظر امیر ترین امیدوار کے لئے ماحول انتہائی سازگار ہوتا ہے۔ حقیقی جمہوریت میں اگر کوئی فرد کسی امیر پس منظر کا حامل نہ بھی ہو تو اسے اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ ایک کامیاب مہم چلا سکے۔

فرح خان

اگر ہم انتخابی نظام میں کوئی بہتری چاہتے ہیں تو اس کے لئے ہمیں اصول وضوابط لاگو کرنا ہوں گے۔ سکریننگ کے خودکار طریقے مثلاً بائیومیٹرک سکریننگ متعارف کرائے جائیں جس کے ساتھ ساتھ احتساب کا باقاعدہ نظام وضع کیا جائے۔ میڈیا کے موجودہ ریگولیٹری حکام کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی سکریننگ کی پالیسیوں کی ازسرنو جانچ پرکھ کریں اور انہیں بہتر بنائیں

حنان علی عباسی

کرپشن کو چیلنج کرنا نوجوانوں کا فرض ہے۔ سینیٹ یا قومی اسمبلی کا رکن بننے کے لئے عمر کی کم سے کم حد میں ترمیم کی جائے۔ میڈیا کے ذریعے قومی سطح کی ترغیبی مہموں کے ذریعے نوجوانوں کی شمولیت بہتر بنائی جائے۔ نوجوانوں کو اگر موقع دیا جائے تو سیاست میں بھرپور طریقے سے حصہ لینے کے لئے تیار ہیں۔

صاحبزادہ عبدالہادی

ٹیکنالوجی بذات خود تو کسی مسئلے کا حل نہیں ہے! یہ تو مسائل کا حل نکالنے کا ایک طریقہ ہے۔ ٹیکنالوجی کی مختلف صورتیں متنازعہ بحثوں کو کم سے کم کرنے، مینول نظام کی خامیوں پر قابو پانے اور انتخابات کے تمام تر عمل کو بہتر بنانے میں مدد دے سکتی ہیں۔

مباحثہ

انتخابی انصاف

انتخابی تنازعات اور عذرداریوں کا تصفیہ

تعارف

کوئی بھی انتخاب بے عیب نہیں ہوتا اور کسی بھی انتخابی عمل میں دیانتداری اور اس کی جائز قانونی حیثیت کو یقینی بنانے کے لئے تنازعات اور عذرداریوں کے تصفیہ کے لئے ایک موثر عمل کا ہونا ضروری ہے۔ ایسا کوئی نظام نہ صرف انتخابات کے مجموعی معیار کو بہتر بناتا ہے بلکہ اس سے یہ امکان بھی بڑھ جاتا ہے ہارنے والی پارٹیاں نتائج کو قبول کرلیں گی۔
انتخابی تنازعات کو وسیع معنوں میں دو کیٹیگریز میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی شکایات اور عذرداریاں۔

	انتخابی عذرداریاں (تنازعات)	انتخابی شکایات
نوعیت	عذرداریاں، جو اگر منظور ہوجائیں تو انتخابات کے نتائج پر اثرانداز ہوسکتی ہیں۔	ایسی شکایات جو انتخابات کے نتائج پر اثرانداز نہیں ہوتیں جیسے انتخابی مہم کے قواعد وضوابط کی خلاف ورزیاں، رائے دہندگان کے ووٹ دینے پر پابندی یا ووٹ دینے کے عمل میں ضابطے کی کارروائی کی خامیاں
نمٹانے کا نظام	اس نوعیت کی شکایات مخصوص انتخابی ٹربیونل کو نمٹانی چاہئیں۔	بہترین طریقہ یہ ہے کہ الیکشن کمیشن کے اندر اس مقصد کے لئے مخصوص انتظامی عمل کے ذریعے نمٹایا جائے۔ ان کے خلاف کسی عدالت میں اپیل کی جاسکتی ہے۔
موجودہ صورتحال	الیکشن ٹربیونل کا نظام اس نوعیت کی عذرداریوں کو نمٹانے کے لئے تشکیل دیا جاتا ہے۔	اس نوعیت کی شکایات نمٹانے کے لئے کوئی ایک نظام رائج نہیں ہے۔

شکایات

انتخابی مہم کی خلاف ورزیوں، انتخابات سے قبل اور انتخابات والے دن ہونے والی خلاف ورزیوں، اور جائز قانونی رائے دہندگان کی حق رائے دہی سے محرومی یا پولنگ عملہ کی بدعنوانی سمیت خلاف ورزیوں سے متعلق تمام تر کارروائی شکایات کے دائرے میں آتی ہے۔

بین الاقوامی سطح پر رائج بہترین طریقہ یہ ہے کہ انتخابی شکایات کے ازالہ کے لئے ایک واحد باضابطہ عمل ہونا چاہئے۔ پاکستان میں شمولیت پر مبنی یا کوئی ایک یکساں نظام رائج نہیں ہے۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان نے تین لائق تحسین اقدامات کئے ہیں جو شکایات کے مخصوص شعبوں سے متعلق ہیں: کاغذات نامزدگی کی کارروائی کے لئے اپیلٹ ٹربیونل، انتخابی مہم کے عرصہ کے لئے نگران ٹیمیں اور انتخابات والے دن پولنگ عملہ کو مجسٹریٹ کے اختیارات۔

اپیلٹ ٹربیونل اگرچہ ایک موثر لیکن محدود ازالہ کا اقدام ہے لیکن انتخابات سے پہلے ازالہ کی یہ واحد صورت ہے جہاں خواہشمند امیدوار اپنی اپیلیں دائر کرسکتے ہیں۔ 2012 کے ضمنی انتخابات اور پھر مئی 2013 کے عام انتخابات میں نگران ٹیمیں بھی تشکیل دی گئیں۔ اگرچہ ان ٹیموں نے موثر طریقے سے کام کیا لیکن پھر بھی انجام کاران کی کارکردگی میں کچھ مسائل سامنے آئے جن کا سبب قانون اور ضابطے کی کارروائی میں کسی واضح کوریج کا فقدان تھا۔
تیسرا طریقہ جو الیکشن کمیشن نے اپنایا وہ یہ تھا کہ پریزائیڈنگ افسران کو پولنگ سٹیشن کی سطح پر فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کے عارضی اختیارات دیئے گئے۔ اس کی بدولت قانونی طور پر پریزائیڈنگ افسران کو اختیار مل گیا کہ وہ انتخابی عمل کے دوران ہی بعض خلاف ورزیوں کو فوری طور پر نمٹا سکتے تھے۔ بدقسمتی سے بیشتر پولنگ افسران کسی ادارہ جاتی ڈھانچے کے بغیر اس اختیار کے استعمال سے گریزاں رہے ہیں۔

انتخابی عمل سے متعلق شکایات نمٹانے کے ایک فوری و منصفانہ نظام کے ذریعے یہ امکان بہتر بنایا جاسکتا ہے کہ انتخابی نتائج کو پارٹیاں اور عوام قبول کرلیں گے۔ اس شعبے میں انتخابی اصلاحات کے ذریعے الیکشن کمیشن کو بااختیار بنایا جاسکتا ہے کہ وہ ایک شفاف نظام کے لئے قواعد تشکیل دے جن کے ذریعے وہ انتظامی طور پر ان شکایات کو نمٹا سکے۔ ایسے کسی نظام میں متعلقہ فارم اور شکایت دائر کرنے کے واضح طریقے وضوابط بھی شامل ہوسکتے ہیں جو تمام متعلقہ فریقوں اور متوقع شکایت کنندگان کے لئے قابل رسائی ہو اور وہ اسے بآسانی سمجھ سکیں۔

© یو این ڈی پی پاکستان

انتخابی عذرداریاں

شکایات کے برعکس انتخابی عذرداریاں اس نوعیت کی خلاف ورزیوں کے لئے مخصوص ہیں جو انتخابات کے نتائج کو تبدیل کردیں۔ یہ انتخابات میں دھاندلی کی منظّم کوششوں، یا اتنے بڑے پیمانے پر انتخابی مہم کی خلاف ورزیوں سے متعلق ہوسکتی ہیں جن سے عملی طور پر نتائج تبدیل ہوجائیں۔

موجودہ نظام کے تحت الیکشن کمیشن ہر انتخاب کے لئے الیکشن ٹربیونلز تعینات کرتا ہے۔ عذرداریاں پہلے الیکشن کمیشن کو دائر کی جاتی ہیں اور پھر متعلقہ ٹربیونلز کو بھجوا دی جاتی ہیں۔ اس نظام کی موثر حیثیت بہتر بنانے کے لئے متعدد اصلاحات کی گئی ہیں۔ ان میں الیکشن ٹربیونلز کی جانب سے انتخابی عذرداریاں نمٹانے کے شیڈول پر نظرثانی بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں 2013 کے انتخابات میں تصفیہ کی رفتار تیز کرنے کی ایک کوشش کے طور پر ٹربیونلز کی تقرریوں کی نوعیت میں تبدیلی کی گئی۔ ہائی کورٹ کے حاضر سروس ججوں کو ٹربیونلز میں مقرر کرنے کا سابقہ طریقہ ختم کردیا گیا اور ان کی جگہ اس مقصد کے لئے بھرتی کئے گئے جج لائے گئے جو صرف انتخابی عذرداریوں کو نمٹانے پر کام کریں گے۔

اصلاحات اور سفارشات

انتخابی تنازعات کے تصفیہ کے نظام میں بہتری کی خاصی گنجائش موجود ہے۔ اس ضمن میں متعدد سفارشات تجویز کی جاچکی ہیں۔ ان میں ٹربیونل کو بھیجنے سے پہلے عذرداریوں کی پڑتال کے حوالے سے الیکشن کمیشن کے کردار کا خاتمہ، درخواست دہندہ کو اپنی عذرداری براہ راست متعلقہ ٹربیونل کو پیش کرنے کی اجازت دینا، اور انتخابی عذرداری میں تمام انتخابی امیدواروں کو شامل کرنے سے متعلق مبہم موجودہ دفعات کے بجائے صرف کامیاب امیدوار کو مدعا علیہ بنانا شامل ہیں۔

یورپی یونین کے انتخابی مشاہدہ مشن 2013 کی حتمی رپورٹ میں الیکشن کمیشن کو انتظامی شکایات ٹربیونلز کو عذرداریاں دائر کرنے کے واضح نظام پر قانون کی تشکیل کی سفارش بھی کی گئی ہے تاکہ دائرہ اختیار آپس میں گڈمڈ نہ ہوں اور ازالہ تک رسائی زیادہ واضح ہو اور اس کی پیش بینی بہتر طور پر کی جاسکے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ قانونی فریم ورک پر نظرثانی کرکے اس میں ترامیم کی جائیں اور انتخابی عذرداریوں کے تصفیہ کے عمل کو بہتر اور مستحکم بنانے کے لئے اس میں مزید دفعات شامل کی جائیں۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ انتخابی ٹربیونلز کے کام کی آزادی یقینی بنائی جائے، انتخابی تنازعات، اپیلوں اور انتخابی عذرداریوں کی سماعت اور انہیں بروقت نمٹانے کے لئے بامعنی مدت طے کردی جائے، اور انتخابی تنازعات کے تصفیہ کے نظام کو 'شہری وسیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدہ' (آئی سی سی پی آر) کے تحت پاکستان کی طرف سے کئے گئے بین الاقوامی وعدوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔

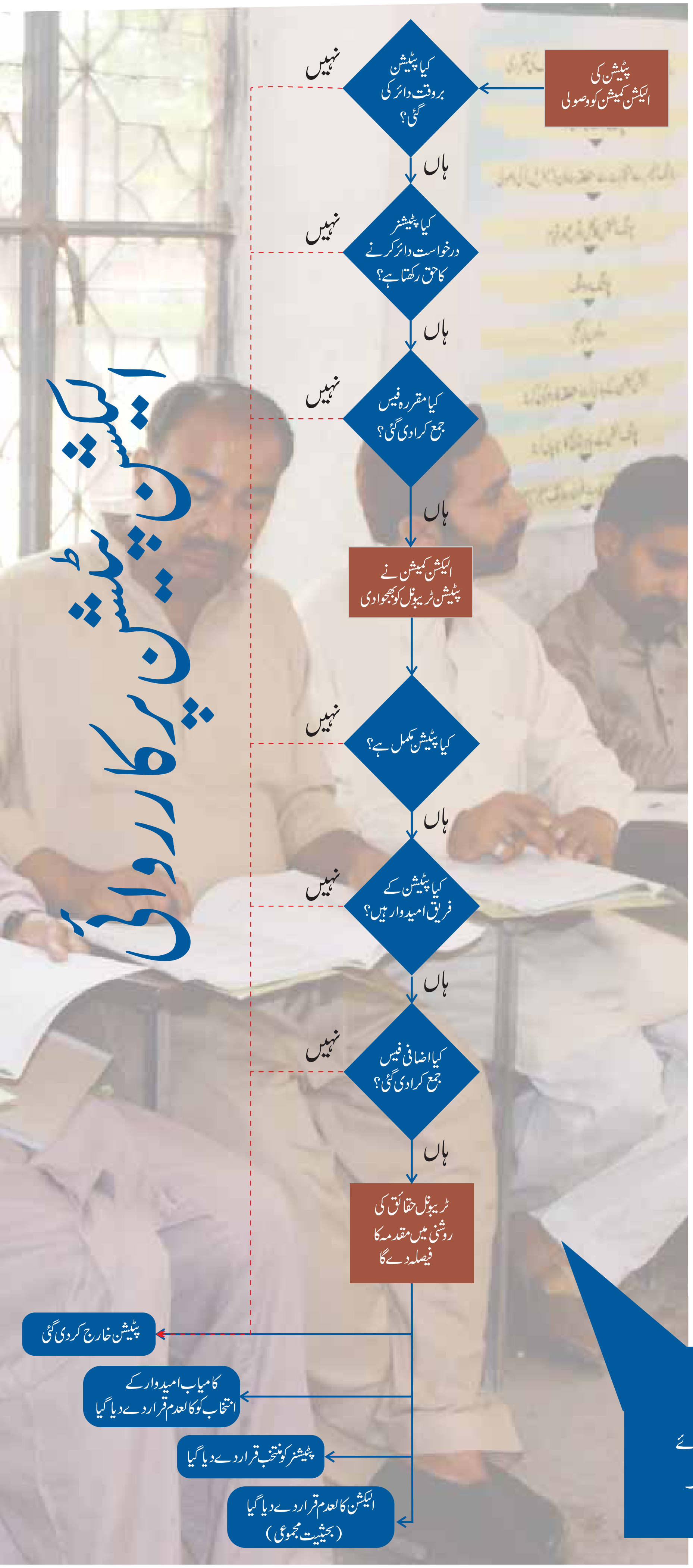

اس شکل میں الیکشن پٹیشن پر ہونے والی کارروائی کا عمل دکھایا گیا ہے۔
آرٹیکل 225 کے مطابق کسی انتخاب پر حرف گیری نہیں کی جاسکتی ماسوائے الیکشن پٹیشن کے ذریعے جو قانون میں طے شدہ طریقے سے پیش کی گئی ہو۔

طاہر مہدی

کہتے ہیں قوانین توڑنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اگرچہ آپ اس سے عدم اتفاق نہیں کر سکتے ہیں لیکن لفظ 'توڑنا' کانوں کو کافی گراں گزرتا ہے۔ اس کی جگہ بہتر یہ ہوسکتا تھا کہ یہ کہہ دیا جاتا کہ قوانین پر مسلسل بنیاد پر نظرثانی اور انہیں بہتر بنانا ضروری ہوتا ہے۔ کوئی بھی قانون بے عیب نہیں ہوسکتا اور وہ بھی ایک ایسے معاشرے میں جس کا طرزِ حکمرانی کا نظام جدید اصطلاح میں ابھی تک شیرخوارگی میں ہے۔ پاکستان کے معاملے میں انتخابی قوانین کے ارتقاء کی کہانی بڑی افسوس ناک دکھائی دیتی ہے جنہیں بار بار مسخ کیا گیا اور یوں جمہوریت تعطل کا شکار ہوتی رہی۔

موجودہ انتخابی قوانین 1970 کی دہائی کے وسط میں ملک کی پہلی براہ راست طور پر منتخب پارلیمنٹ نے نافذ کئے۔ انہیں 1977 کے عام انتخابات میں عمل میں لایا گیا لیکن نتیجے میں جو پارلیمنٹ سامنے آئی وہ صرف تین ماہ چل سکی۔

ایک دہائی سے زائد عرصے تک باقی رہنے والے فوجی اقتدار نے انتخابی نظام پر نمایاں اثرات مرتب کئے۔ کئی لوگ سمجھتے ہیں کہ ترامیم مخصوص مفادات کے تحت کی گئیں۔ عمومی اتفاق رائے یہ ہے کہ ان تبدیلیوں نے مذہبی کشیدگی کو بگاڑ دیا۔

1990 کی دہائی میں تھوڑے تھوڑے عرصے تک برسرِ اقتدار رہنے والی منتخب حکومتیں نظام کی صفائی کی کوشش میں فوجی اسٹیبلشمنٹ سے اختیارات چھیننے کی جدوجہد میں لگی رہیں لیکن انہیں محدود کامیابی ملی۔ ان کی نحیف کوششیں اس وقت دھری کی دھری رہ گئیں جب ملک ایک بار پھر ایک دہائی پر محیط ایک اور فوجی اقتدار کی زد میں آ گیا۔ نئی فوجی حکومت نے ایک بار پھر انتخابی نظام میں وسیع تبدیلیاں کیں جن کا مقصد بڑی حد تک حلقہ سیاست کے بعض دھڑوں کو خوش کر کے اپنے اقتدار کو طول دینا تھا۔ تاہم 2008 میں بالآخر ملک نے پہلی بار اقتدار کی جمہوری منتقلی کا تاریخی سنگِ میل عبور کیا۔ 2013 میں پہلی بار ایک منتخب حکومت نے اپنی آئینی مدت پوری کی اور اقتدار اگلی منتخب حکومت کے حوالے کر دیا۔

پاکستان کے موجودہ قانونی و انتظامی انتخابی ڈھانچے کے بارے میں کم و بیش یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کمزور ہے۔ قوانین کمیوں کا شکار ہیں اور ان میں بہتری کی ضرورت ہے لیکن اس سے زیادہ نقصان دہ بات ادارہ جاتی عزم اور قوانین پر صحیح معنوں میں عملدرآمد کے پختہ عزم کی نمایاں حد تک عدم موجودگی ہے۔

مثال کے طور پر پولنگ سٹیشنوں سے گنتی کے بیانات کے مسئلے کو لے لیں۔ عوامی نمائندگی کے قانون، 1976 میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ہر پولنگ سٹیشن پر ووٹوں کی گنتی انتخابی امیدواروں کے پولنگ ایجنٹوں کی نگرانی میں کی جائے گی، مجوزہ فارموں پر اس کا ریکارڈ مرتب کیا جائے گا، تمام پارٹیاں پہلے اس کی ضروری تصدیق کریں گی اور پھر اسے عوام کے سامنے لایا جائے گا۔ قانون یا ضوابط میں کوئی کجیاں نہیں لیکن گنتی کا عمل گزرے سالوں میں طرح طرح کے تنازعات کا شکار رہا ہے۔

1993 کے انتخابات سے قبل پاکستان پیپلز پارٹی نے شکایت کی کہ پریزائیڈنگ افسران نے گنتی کے بیانات پر اپنے اصل دستخط نہ کئے اور یوں نتائج کو عدالت میں چیلنج کرنے کی صورت میں وہ بڑی آسانی کے ساتھ قانونی چارہ جوئی سے بچ سکتے تھے۔ نگران حکومت نے ضوابط اور فارم دونوں میں ترامیم کیں اور پریزائیڈنگ افسر کے لئے لازمی قرار دے دیا کہ وہ ان بیانات پر دستخط کے علاوہ اپنے انگوٹھے کا نشان بھی لگائیں۔ اس سے معاملہ بطریق احسن حل ہو جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا اور گنتی کے بیانات کا اجراء گزشتہ انتخابات سمیت بعد کے سبھی انتخابات میں سب سے زیادہ موضوعِ بحث رہا۔

سارا الزام قوانین میں پائی جانے والی کمیوں کو نہیں دیا جا سکتا۔ قانون میں مزید ترامیم سے خاطر خواہ ازالہ کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اصل جزو جو یہاں پر غیر موجود ہے وہ قانون پر عملدرآمد کے لئے عزم و محنت کا فقدان ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ فوجی حکومتوں نے ہمیشہ انتخابی قوانین کے ساتھ جوڑ توڑ کیا اور ان پر عملدرآمد کے ذمہ دار اداروں کو کمزور کر دیا۔ طاقت کے اس ظالمانہ کھیل میں الیکشن کمیشن آف پاکستان کو ایک آزاد آئینی ادارے کے طور پر اپنے ادعا اور خود کو بہتر بنانے کے موقع سے محروم کر دیا گیا۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ یہ سوچ ہنوز جاری ہے۔ چیف الیکشن کمشنر کی تقرری میں حالیہ تاخیر اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ توانائی سے بھرپور ایک انتخابی ادارے کی اہمیت کو ابھی بھی پوری پذیرائی نہیں ملتی۔

پاکستان میں فوجی اقتدار کی کئی باقیات میں سے ایک یہ ہے کہ بیشتر سرکاری ادارے خود کو عوام الناس کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتے۔ اس کی جڑیں چونکہ ہمارے نوآبادیاتی ماضی میں ہیں اس لئے یہ دور دور تک پھیل چکی ہیں۔ مبہم انتظامیہ کے اس کلچر اور معلومات کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نے مل کر ایک مہلک ملغوبے کی شکل اختیار کر لی جسے بداعتمادی کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ الیکشن کمیشن ایسے عملہ کے ذریعے انتخابات کے انتظامات کرتا ہے جو اس کے ملازمین نہیں ہوتے۔ تقریباً ہر دوسرے ملک میں عین یہی معاملہ ہے۔ دوسرے محکموں سے لئے گئے عملہ کی اکثریت کو پانچ سال کے عرصے میں ایک آدھ بار ایک یا دو دن کے لئے پولنگ سٹیشن کی سطح پر ڈیوٹی دینے کے لئے مامور کیا جاتا ہے۔ ان کی یہ محدود آگاہی مہارتوں کی کمی اور متوقع سیاسی تعصب اور جانبداری میں اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ اس بیرونی عملے کے بارے میں یہ خدشہ بھی ہوتا ہے کہ وہ رشوت لینے پر تیار ہو جائے گا یا بعض عہدوں کے حصول کے خواہشمند طاقتور مقامی افراد کے جبر کا شکار ہو جائے گا۔ یہ وہ عام زمینی حقائق ہیں جن کی تردید کوئی نہیں کر سکتا۔

کمیشن کو ان حالات میں کام کرنا ہوتا ہے۔ اسے اپنی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے ان اہلکاروں کی نگرانی اور/یا عوامی نگرانی کی حمایت میں ایک نظام تشکیل دینا ہوگا۔ الیکشن کمیشن آف انڈیا نے اپنے پولنگ سٹیشن عملہ کی کارکردگی کی نگرانی کا اپنا ایک نظام وضع کیا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں کسی سٹیشن کے نتائج قبول کرتا ہے اگر یہ اس کے نگرانوں کی طرف سے تصدیق شدہ ہوں بصورت دیگر دوبارہ پولنگ کا حکم دے دیتا ہے۔ بھارتی الیکشن کمیشن نے اپنی وجیلنس ٹیمیں بھی تشکیل دی ہیں جو تمام تر انتخابی مہم کے عرصہ کے دوران فعال رہتی ہیں۔ پاکستان کے انتخابی ادارے کا اپنا کوئی نگرانی کا نظام نہیں ہے۔ یہ بڑی حد تک امیدواروں کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف دائر کی جانے والی شکایات پر تکیہ کرتا ہے یا میڈیا کی اکادکا رپورٹیں اس کے لئے بنیاد کا کام دیتی ہیں اور اس کے پاس متاثرہ فریقوں کو ازالہ فراہم کرنے کا واحد راستہ الیکشن ٹریبونلز ہیں۔ طویل قانونی طریقے کسی ایسی چھوٹی موٹی خامی کی موقع پر اصلاح کا متبادل نہیں ہو سکتے جو رپورٹنگ کے ایک غیر جانبدار نظام کے تحت رپورٹ کی جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے انتخابی قوانین کی تشکیل میں کسی قدر بہتری کی ضرورت ہے لیکن اسے اصلاحاتی ایجنڈا کا ایک واحد پہلو بنا کر رکھ دینا غلطی ہوگی۔ یہ قوانین توڑے بھی جائیں گے اور موڑے بھی جائیں گے لیکن اس سے پہلے ان پر حقیقی معنوں میں بھرپور طریقے سے عملدرآمد کی ضرورت ہے۔

یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ کمیشن کو ایک ایسے آزاد آئینی ادارے میں تبدیل کر دیا جائے جس کے پاس تمام اختیارات، استعداد اور عزم موجود ہوں کہ وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی انتخابی قوانین پر عملدرآمد کر سکے۔

ریٹرننگ افسران: صف اول میں اصلاحات کا عمل

ریٹرننگ افسران کا کردار کسی بھی انتخابی عمل کی قابل اعتبار حیثیت میں بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ پاکستان پر یہ بات بالخصوص صادق آتی ہے جہاں انتخابی عمل پر عوامی بحث میں اکثر ضلعی ریٹرننگ افسران (ڈی آر اوز) اور حلقہ ریٹرننگ افسران (آر اوز) کے کلیدی کردار کو مرکزی حیثیت حاصل رہتی ہے۔ اس بحث کے اہم پہلوؤں میں ان کی تقرری، مہارتیں، پیشہ ورانہ سوچ، آزادی، غیر جانبداری، کارکردگی اور مینجمنٹ شامل ہیں۔

مختلف انتخابی سرگرمیوں کے دوران الیکشن کمیشن آف پاکستان ضلعی ریٹرننگ افسران اور ریٹرننگ افسران کی بھرتی کے تین ماڈلز پر عمل کر چکا ہے:

- ججوں کی تقرری (عدلیہ کا ماڈل)
- سول ملازمین کی تقرری (ایگزیکٹو کا ماڈل)
- الیکشن کمیشن کے مستقل عملہ کی تقرری (ای سی پی کا ماڈل)

تقرری کے ان تینوں طریقوں پر الیکشن کمیشن کا تجربہ ملا جلا رہا ہے اور حالیہ انتخابات میں متعلقہ فریقوں نے ڈی آر اوز/ آر اوز کی کارکردگی اور دیانتداری پر نمایاں خدشات کا اظہار کیا۔ اس حوالے سے پیشہ ورانہ سوچ کی کمی، پولنگ کارروائی کی ناقص مینجمنٹ، اور ان افسران پر الیکشن کمیشن کے موثر کنٹرول کے فقدان کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ افسران پر الیکشن کمیشن کے محدود کنٹرول کے نتیجے میں ذمہ داری کا تعین غیر واضح ہو گیا کہ انچارج کون ہے۔ تنقید میں اس حوالے سے تفصیلی بحث کی ضرورت کی نشاندہی کی جاتی ہے کہ مستقبل کے انتخابات میں ڈی آر اوز یا آر اوز کس کی تقرری کا کون سا طریقہ اپنایا جائے کہ یہ تمام متعلقہ فریقوں کے لئے قابل قبول ہو۔

پاکستان میں ایک بات تو واضح ہے کہ انتخابات کے معیار اور دیانتداری میں طویل مدتی بہتری کے لئے پولنگ عملہ کی تقرری اور مینجمنٹ نظام میں پائی جانے والی کمزوریوں کو دور کرنا ضروری ہے۔ حالیہ انتخابات میں عدلیہ اور سول سروس کے ماڈلز کی کمزوریاں اور مستقبل کے انتخابات کے لئے ججوں کی متوقع عدم دستیابی، دونوں باتیں ڈی آر اوز یا آر اوز کی بھرتی کے لئے الیکشن کمیشن کے آپشنز کو محدود کرتے ہیں اور ممکنہ طور پر زیادہ موثر متبادل پر غور ضروری بنا دیتے ہیں۔

> "آر اوز/ ڈی آر اوز کی تقرری کے حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ ان افسران کو اکثر انتخابات کے دوران یا ان کے بعد خوف و ہراس کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ان خطرات کی تلوار جب سر پر لٹک رہی ہو تو فطری سی بات ہے کہ فرد کی پیشہ ورانہ سوچ متاثر ہوگی۔ انتخابی افسران کی کراس ڈیپوٹیشن بہت ضروری ہے یعنی انتخابی افسران کو اپنے آبائی حلقوں میں تعینات نہ کیا جائے۔"
>
> صاحبزادہ عبدالہادی، کراچی

ایک چوتھا ممکنہ ماڈل مارکیٹ سے ماہرین یا پیشہ ورانہ ماہرین کی بھرتی ہے اور پاکستان میں یہ طریقہ اس سے پہلے استعمال نہیں کیا گیا۔ استعداد اور لاگت کے اعتبار سے اس طریقے کے فوائد واضح ہیں لیکن یہ بات یقینی بنانے کے لئے محتاط طریقے سے جانچ پڑتال کی ضرورت ہوگی کہ یہ لوگ سیاسی جانبداری کا شکار نہ سمجھے جاتے ہوں۔ اس ماڈل کو دیگر مثلاً الیکشن کمیشن عملہ والے ماڈل کے ساتھ ملا کر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ایک پانچواں ممکنہ طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ سول سروس والا ماڈل اپنایا جائے لیکن یہ الیکشن کمیشن کے موثر انتظامی کنٹرول کے تحت کام کرے (جدول میں دیا گیا آپشن C)۔ الیکشن کمیشن نے درحقیقت 2013 کے عام انتخابات سے قبل عارضی عملہ (ڈی آر او اور آر او) پر اپنے کنٹرول کو مضبوط بنانے کے لئے کوششیں کی تھیں۔ اصلاحات کے ذریعے انضباطی کارروائی کرنے کے الیکشن کمیشن کے اختیار میں نمایاں اضافہ ہونا تھا جن میں مس کنڈکٹ پر یا الیکشن ڈیوٹی کے حوالے سے الیکشن کمیشن کے احکامات پر عمل کرنے سے گریز پر کسی اہلکار کے خلاف جرمانہ عائد کرنا بھی شامل تھا۔ یہ مسودہ جنوری 2013 میں پارلیمنٹ کو جمع کرایا گیا لیکن اس کا بل ہی پیش نہ کیا گیا اور نہ ہی اسے قانون کی شکل مل سکی۔

انتخابی اصلاحات پر سیمیناروں کے شرکاء نے کراس ڈیپوٹیشن کے ذریعے مقامی پیشہ ورانہ یا خاندانی نیٹ ورکس کا اثر و رسوخ کم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ریٹرننگ افسران کو ان کی تعیناتی یا رہائش کے مقام سے دور تعینات کیا جائے۔

عالمی نقطہ نظر:

ڈی آر اوز اور آر اوز کی تقرری/ بھرتی کے ممکنہ آپشنز کا خلاصہ درج ذیل جدول میں دیا گیا ہے۔ ہر طریقے کی اپنی خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔

جدول 1: آر او/ ڈی آر او کی تشکیل کے ممکنہ متبادل

	آپشن A	آپشن B	آپشن C	آپشن D	آپشن E
ڈی آر اوز/ آر اوز	جج صاحبان	سول ملازمین	سول ملازمین، موثر انتظامی کنٹرول کے تحت	الیکشن کمیشن کا مستقل عملہ	ماہرین (جو مارکیٹ سے بھرتی کئے جائیں)
ملکوں کی مثالیں	پاکستان	بنگلہ دیش	بھارت	آسٹریلیا، کینیا، انڈونیشیا	کینیڈا، گھانا، نائیجیریا، نیوزی لینڈ

انتخابی اصلاحات پر یورپی یونین کا نقطہ نظر

ایمبیسیڈر لارز گنار ویجمارک

پاکستان میں یورپی یونین کے ہیڈ آف ڈیلیگیشن

کوئی ڈیڑھ سال پہلے پاکستان نے ایک نمایاں جمہوری سنگ میل عبور کیا کہ پہلی بار ایک جمہوری طور پر منتخب حکومت نے اپنی پانچ سالہ مدت مکمل کی اور اقتدار ایک پرامن طریقے سے اگلی انتظامیہ کو منتقل کر دیا۔ لیکن ہر ملک کی طرح یہاں بھی مکمل جمہوریت کی منزل کو پہنچنے کے لئے کئی سنگ میل عبور کرنا باقی ہیں۔ مدت وار انتخابات ایک صحت مند جمہوری نظام کی اہم ترین علامت ہیں لیکن محض انتخابات اس کی دیرپا حیثیت کو یقینی نہیں بناتے۔ جمہوریت محض اداروں، کارروائیوں اور عمل کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اقدار اور طرز عمل کا نام ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شہریوں کو اپنے جمہوری نظام کی قابل اعتبار، جائز و قانونی حیثیت پر اعتماد ہونا چاہئے۔

یورپی یونین پاکستان میں جو بھی سرگرمیاں کر رہی ہے ان میں جمہوریت کے لئے ہماری حمایت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یورپی یونین بذات خود 28 جمہوریتوں پر مشتمل ایک یونین ہے جن میں سے کئی ایسے ہیں جو یورپی یونین میں شامل ہونے سے پہلے مطلق العنان اور فوجی حکومتوں کے تحت چل رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی یونین پاکستان میں جمہوری و انتخابی عمل کے استحکام کے لئے حمایت اور کام کرنے پر اس قدر پختہ وابستگی رکھتی ہے۔ پارلیمنٹ نے رواں سال اگست میں اس وقت اپنی قوت کا اظہار کیا جب سیاسی پارٹیوں، جن میں حزب اختلاف کی جماعتیں بھی شامل تھیں، نے جمہوری طور پر منتخب حکومت کے لئے اپنی بھرپور حمایت کا اظہار کیا۔

پاکستان میں جمہوریت کے ساتھ یورپی یونین کی وابستگی دیرینہ ہے۔ یورپی یونین کو 2002، 2008 اور 2013 کے تین پارلیمانی انتخابات کے مشاہدہ کی دعوت دی گئی۔ جمہوریت کے شعبے میں اس وقت ہم کل 38 ملین یورو کے بجٹ سے مختلف منصوبوں پر کام کر رہے ہیں جن کا مقصد انتخابات کو بہتر بنانا اور پارلیمانی انتخابات کو مستحکم بنانا ہے۔ مختصراً، یورپی یونین ایک جمہوری پاکستان دیکھنے کی خواہشمند ہے اور اس پر اس نے سرمایہ کاری بھی کی ہے۔

تاہم اصلاحات کے لئے سیاسی عزم کے بغیر کوئی تعاون یا معاونت عمدہ نتائج سامنے نہیں لاسکتی۔ لہٰذا یورپی یونین اصلاحات کے لئے پاکستان کی مقنّنہ کے پختہ عزم پر انحصار کرتی ہے تاکہ سب سے اہم چیز یعنی سیاسی شمولیت پر مبنی عمل پر شہریوں کے اعتماد کو مستحکم بنایا جا سکے۔

انتخابی اصلاحات وقت کا تقاضا ہیں۔ یہ انتخابی عمل میں پائی جانے والی ڈھانچہ جاتی کمیوں کو دور کرنے اور اتفاق رائے پیدا کرنے کے ایک موقع کی علامت ہیں۔ یہ ایک بتدریج عمل ہے جو آہستہ آہستہ نہ صرف انتخابات کی مجموعی افادیت اور قابل اعتبار حیثیت کو بلکہ تمام تر جمہوری نظام کی قابل اعتبار حیثیت کو بھی بہتر بناتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کا تعلق پاکستان کے تمام شہریوں سے بنتا ہے۔ اور یہ اس بناء پر ناگزیر ہے کہ اصلاحات کا عمل اور ان پر ہونے والی بحث شمولیت پر مبنی ہوتے ہیں، تمام سیاسی جماعتوں، ارکان پارلیمان اور سب سے بڑھ کر خود شہریوں سے رابطہ و رسائی کی جاتی ہے۔

گزشتہ سال انتخابات کے دوران یورپی یونین کے خودمختار انتخابی مشاہدہ مشن نے ریاستی اداروں، سول سوسائٹی، سیاسی جماعتوں اور رائے دہندگان کے پختہ عزم کو سراہا۔ اس نے اس بارے میں بھی اظہار خیال کیا کہ انتخابی عمل کس قدر مقابلے پر مبنی تھا اور کٹھن سکیورٹی ماحول اور طریقوں وضوابط اور عملی اعتبار سے کئی کمیوں کے باوجود اس میں بہتری آئی ہے۔ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی نشاندہی کی کہ ''بنیادی مسائل قانونی فریم ورک اور بعض دفعات پر عملدرآمد سے متعلق ہیں جس کی بناء پر مستقبل میں بدعنوانی کا خطرہ باقی ہے اور پاکستان اپنے شہریوں کو بطور امیدوار انتخابات میں حصہ لینے اور ووٹ کا حق اور موقع دینے کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو بھرپور طریقے سے پورا نہیں کر رہا۔''

انتخابی مشاہدہ مشن نے انتخابی عمل کو بہتر بنانے کے لئے 50 سفارشات پیش کیں، قانون سازی کے اس کلیدی کردار کی جانب توجہ مبذول کرائی جو پارلیمنٹ کو یہ بات یقینی بنانے کے لئے لازماً ادا کرنا چاہئے کہ مستقبل کے انتخابات قابل اعتبار، شفاف اور شمولیت پر مبنی ہوں۔ بالخصوص مشن نے خیال ظاہر کیا کہ قانون سازی کا کام (انتخابی قوانین کے فریم ورک کو مستحکم بنانے کے لئے 17 سفارشات پیش کی گئیں) اس بات کو یقینی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ پاکستانی شہریوں کو اپنے سیاسی و شہری حقوق سے اسی طرح استفادہ کا حق اور موثر موقع میسر ہو جس طرح یہ ان بین الاقوامی قانونی معاہدوں میں بیان کئے گئے ہیں جن کی توثیق پاکستان کر چکا ہے۔

یہ طے کرنا پاکستانی عوام کا کام ہے کہ انتخابی عمل کس قدر قابل قبول ہے۔ اور ایک خودمختار ملک کی حیثیت سے اپنے قوانین کی نوعیت کے بارے میں فیصلہ کرنا پاکستان کا کام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انتخابی فریم ورک میں بہتری سے انتخابی عمل پر شہریوں کا اعتماد بحال ہو گا۔ شفافیت و احتساب، تنازعات کے تصفیہ، الیکشن کمیشن کے استحکام، خواتین اور اقلیتوں کی شمولیت کے فروغ یا قومی اتفاق رائے کی تشکیل، جس کا ایک مدت سے انتظار ہے، پر اقدامات ہونے چاہئیں۔ بلدیاتی اداروں کے انتخابات کا انعقاد بھی شمولیت پر مبنی طرز حکمرانی کو شہریوں کے قریب تر لانے کے لئے ناگزیر اقدامات میں سے ایک ہے۔

انتخابی اصلاحات پر جو پارلیمانی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے وہ درست سمت میں ایک قدم ہے اور یورپی یونین امید کرتی ہے کہ یہ انتخابی اصلاحات کا ایک جامع پیکج سامنے لائے گی۔ توقعات بہت زیادہ ہیں اور یورپی یونین اور اس کی رکن ریاستیں آنے والے سالوں میں اس عمل کی حمایت کے لئے تیار ہیں۔ ہم پاکستان میں جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان